رابعہ ظفر*

علی عباس حسینی کے خطوط بنام محمد طفیل: تحقیق و تدوین مع حواشی

کسی بھی شخصیت کے مزاج ، افکار، نظریات اور میلانات کی تفہیم میں خطوط اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مکاتیب، فرد کی زندگی کے کئی نہاں گوشوں کو عیاں کرتے ہیں۔ مکتوب، مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے درمیان تو یقیناً رابطے کا ذریعہ ہیں لیکن جب مکاتیب علمی و ادبی شخصیات کے ہوں تو یہ بات بھی یقینی ہے کہ ان سے بہت سا تاریخی، علمی، ادبی اور سوانحی مواد میسر آ جائے کیونکہ مکتوب نگار بلاخوف اپنے احساسات و تاثرات آشکار کر دیتا ہے۔ جس سے اس کی زندگی کا حقیقی نقشہ ہمارے سامنے آتا ہے چونکہ مکتوب نگار کے ذہن میں خط کے شائع ہونے کا خدشہ نہیں ہوتا اس لیے خط لکھتے ہوئے وہ کسی بھی پابندی سے بچا رہتا ہے اور اس کی شخصیت ویسے ہی سامنے آتی ہے جیسا کہ وہ ہے۔

یہ غیر مطبوعہ خطوط جن کی تحقیق و تدوین کی گئی ہے اردو کے مشہور افسانہ نگار علی عباس حسینی کے ہیں جو کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ علی عباس حسینی کے یہ ۴۹ خطوط گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لائبریری لاہور کے ذخیرہ نقوش میں موجود ہیں جو مدیر نقوش محمد طفیل کے نام لکھے گئے اور ان کے صاحبزادے جاوید طفیل نے گورنمنٹ کالج کو بطور عطیہ دے دیے ہیں۔

علی عباس حسینی نے نقوش میں اپنی تصنیفات کی اشاعت کی غرض سے خطوط لکھے۔ نقوش

* رابعہ ظفر، پنجاب کالج آف کامرس، لاہور۔

بنیاد جلد دوم شمارہ:۱، ۲۰۱۱ء

میں کوئی بھی تحریر شائع کرنے کی غرض سے بھیجنے کا ذکر، اس تحریر کا تعارف اور بعض خطوط میں معاوضہ طے کرنے کا ذکر ہے۔ اسی طرح اشاعت کے لیے کچھ نہ بھیج سکنے اور دیر سے خط کا جواب دینے کے سلسلے میں معذرت بھی ان خطوط میں شامل ہے۔ اس کے ساتھ ہی نقوش کے نئے شمارے کے لیے استفسار اور نقوش میں شائع ہونے والی تحریروں پر تنقید بھی ان خطوط کا حصہ ہے۔ ایسی معلومات سے جہاں علی عباس حسینی کے مزاج کا اندازہ ہوتا ہے، وہاں ان کی نظر میں ان کی اپنی تحریروں کی اہمیت کا تعین بھی ہوتا ہے اور دوسرے مصنفین کی تحریروں کے بارے میں ان کی آرا کا بھی پتا چلتا ہے۔ ذیل میں ان خطوط کا تعارف اور اہمیت بیان کرتے ہوئے جو اقتباسات درج کیے ہیں ان کے حوالے ساتھ ہی لکھ دیے ہیں تاکہ متن پر لکھے گئے حواشی میں ضم ہو کر انھیں گراں بار نہ کریں نیز علی عباس حسینی کے خطوط سے جو اقتباسات درج کیے ہیں۔ ان کے شروع میں خط کی تاریخ لکھ دی ہے ان کے آخر میں کوئی حوالہ نہیں درج ہے کیونکہ یہ اُنھی غیر مطبوعہ خطوط کے اقتباسات ہیں۔

یہ بات تو طے ہے کہ خطوط لکھنے کا مقصد نقوش میں مواد کی اشاعت تھی لیکن اسی کی بدولت علی عباس حسینی کے مدیر نقوش محمد طفیل سے بہترین طرز پر تعلقات استوار ہوئے۔ ستمبر ۱۹۶۷ کے نقوش میں علی عباس حسینی کا خط شائع کرتے ہوئے محمد طفیل لکھتے ہیں:

> دوسرا خط علی عباس حسینی کا ہے۔ وہ بھی کنکھیوں سے پڑھ ڈالیں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا نامعقولیت سے ناک میں دم رہتا ہے۔ ان کی معقولیت سے ناک میں دم رہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ انسان میں تھوڑا سا گھٹیا پن ضرور ہونا چاہیے۔ اگر آپ کو گھٹیا پن کا لفظ کھلے تو اس کی جگہ ''انسانی پن'' کا لفظ رکھ لیجیے۔ (نقوش، ۱۰۸، ستمبر ۱۹۶۷ ص:۶۱۳)

خطوط کو شخصیت کا آئینہ کہا جاتا ہے۔ کسی بھی شخصیت کے نہاں گوشوں تک رسائی خطوط کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ خلیق انجم لکھتے ہیں:

> دنیا کے بہترین مکتوب نگار عام طور سے وہی لوگ ہوئے ہیں جو زندگی کے تپتے ہوئے ریگزاروں پر سینے کے بل چلتے ہیں اور ان کے خطوط اس سفر کی روداد ہیں۔
> (خلیق انجم، مرتبہ، غالب کے خطوط، جلد اوّل، نئی دہلی، ۱۹۹۳ء، ص:۱۲۴)

علی عباس حسینی کے یہ خطوط نومبر ۵۱ء سے اگست ۶۸ء تک کے درمیانی عرصے کے ہیں۔ یہ خطوط ۵۹ وزیر گنج لکھنؤ سے لکھے گئے۔ ان میں سے صرف ایک خط بنارس سے دوران سفر

لکھا گیا اور ایک نئی دہلی سے لکھا گیا۔ ان خطوط کا بڑا موضوع رسالہ نقوش اور محمد طفیل ہے۔

نقوش میں شامل ایک سمپوزیم میں علی عباس حسینی کے حوالے سے تنقید کی گئی تو علی عباس حسینی اس حوالے سے انکسار اور عاجزی سے ۱۹ جنوری ۵۴ء کے خط میں لکھتے ہیں:

> خدا کا شکر ہے کہ میں برخود غلط لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ مجھے خود اس کا احساس ہے کہ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اسے میں اس طرح نہ کہہ سکا جس طرح دل چاہتا تھا۔ اسی احساس نے مجھے اس قدر کوتاہ قلم بنا رکھا ہے میں خود بھی نہ تو اپنے کو عالم سمجھتا ہوں اور نہ بڑا فنکار۔ یہ آپ ہی احباب زبردستی لکھوا لیتے ہیں۔

علی عباس حسینی کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ وہ کاہلی اور سستی کا شکار تھے۔ ۲۴ نومبر ۵۹ء کو لکھے گئے خط میں وہ خود اپنے بارے لکھتے ہیں:

> دماغی سستی کا حال اسی سے سمجھ لیجیے کہ ۱۶ نومبر کا لکھا ہوا افسانہ لفافے میں یونہی رکھا ہے اور ''صاحب'' پر ڈیڑھ صفحہ لکھنے میں پورا ایک ہفتہ صرف ہو گیا۔ کبھی ڈیڑھ سطریں لکھیں تو کبھی دو۔ کبھی یہی سوچنے میں پورا دن گزار دیا کہ اب جو لکھنے بیٹھوں گا تو تمام کر کے ہی دم لوں گا مگر ہر بات کے لیے وقت مقرر ہے۔ وہ وقت مقررہ آج کی صبح تھی۔

علی عباس حسینی مذہب کی طرف مائل تھے۔ قرآن پاک کی باقاعدہ تلاوت کرتے تھے اور ان مسائل سے آگاہی کے لیے طفیل صاحب سے بعض کتب کی فرمائش بھی کرتے رہتے تھے جس کا ذکر ان خطوط میں آیا ہے۔ ۳۰ اگست ۶۰ء کے خط میں لکھتے ہیں:

> روزانہ تلاوت مع ترجمہ و تفسیر کرتا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ آپ بھی اس کار ثواب میں کسی حد تک شریک ہو جائیں۔ اس لیے عبداللہ یوسف علی نے جو کلام مجید کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا ہے اور جسے شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور نے شائع کیا، اس کی ایک جلد بھیج کر مجھے ممنون فرمائیے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے کاروبار میں اس سے بڑی برکت ہوگی۔

علی عباس حسینی عجلت میں مضمون یا افسانہ لکھنے سے احتراز کرتے تھے کیونکہ وہ مطمئن نہ ہوتے تھے انہیں اپنی بڑائی کا بھی احساس تھا۔ ۲۳ ستمبر ۶۰ء کے خط میں لکھتے ہیں:

> فسانہ نگاری پر میں کوئی سطحی طرح کا چلتا ہوا مضمون نہیں لکھنا چاہتا۔ میں نے چالیس برس اس فن کی زلفوں کے سنوارنے میں صرف کیے ہیں اور مولانا حالی کے لفظوں میں ''ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے''۔ کہنے کا بھی ایک حد تک میں حق رکھتا ہوں۔ اس لیے کوئی سرسری سی چیز لکھ کر

اپنا بھرم نہیں کھونا چاہتا اور ڈٹ کر پوری توجہ سے کچھ لکھنا اس وقت ناممکن ہے۔اس لیے اب کے معاف کر دیجیے۔

علی عباس حسینی قلبی بیماری کا شکار ہو گئے تھے۔ان خطوط میں بڑھاپے کا ذکر جا بجا ملتا ہے۔''میں سرعت سے بوڑھا ہوتا جا رہا ہوں۔اس لیے کہ اب اس کا احساس ہونے لگا ہے۔

A man is as old as he feels and a woman is as old as she looks.

اور یہاں قدرے پوپلے، ریش سفید والے چہرے نے غازہ اور لپ اسٹک کے لیے میدان تنگ کر رکھا ہے۔اس لیے یہ بوڑھا بالا تو بن سکتا ہے مگر ''نگار رعنا'' نہیں''۔

ایک خط جو کہ ۱۲ جون کو لکھا گیا اس میں بھی بیماری کا ذکر ہے اور آخری وقت تک لکھنے کا شوق اس خط سے واضح ہوتا ہے:

سچ جانیے میں اب چھوٹی ہوئی آتش بازی کے مثل ہوں۔قویٰ مضحل ہو گئے ہیں، بچنے کا نشان نہیں ملتا............البتہ کبھی کبھی یہ خیال ضرور ہوتا ہے کہ اس گرتے ہوئے مکان سے جو کچھ کھینچ کر باہر نکال سکو اسے جلدی جلدی کسی فنکاری کے بغیر گھسیٹ کر باہر پھینک دو۔''

محمد طفیل کے اصرار پر نقوش کے لیے کچھ لکھ بھیجا تو اور یکم اگست ۶۸ ء کے خط میں لکھتے ہیں:

اچھا میاں! تو لو تم ہی بھگتو گے۔ایک کرم خوردہ کو جب چماچم چمکتے ہوؤں کے ساتھ رکھو گے تو لوگ تمھاری ہی سلیقہ مندی کو ہنسیں گے۔ مجھے کیا، میں تو گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں۔ آج نہیں تو کل سہی! مجھے کوئی افسانہ نویسوں میں گنے تو کیا نہ گنے تو کیا۔زندگی میں میاں غالب شعرائے ہند میں کس گنتی شمار میں تھے؟ مگر اب لوگ ان کا نام لینے سے پہلے ''یا استاذ'' کہتے ہیں اور ان کے دیوان کو ہندوستان کی الہامی کتابوں میں شمار کرتے ہیں۔پوچھو تمھاری اس پرسش سے غالب کی سڑی گلی ہڈیوں کو کیا نفع پہنچا کون سا انعام ملا۔

یہ خط آخری ہے اس میں انھوں نے اس رویے کا اظہار کیا جو ادیبوں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔

۱۵ مئی ۱۹۶۱ء کے ایک خط سے ان کی حسِ مزاح کا پتا چلتا ہے:

نقوش کے تازہ ترین نمبر کے ایک ادارتی نوٹ سے معلوم ہوا ہے کہ آپ نصیب دشمناں کچھ

ماندے ہو گئے ہیں اور بیماری کے طور و تیور وہی ہیں جو جنابوں اور صاحبوں کے لیے مخصوص ہیں۔ہم ان دونوں خطابات کو آپ کے لیے پہلے ہی سے تسلیم کیے بیٹھے ہیں۔پھر اس قدر شدید اصرار سے اسے منوانے کی کوشش کیوں؟ خیر یہ مسخری بیماریاں تو انسان کے ساتھ تھوڑی بہت لگی ہی رہتی ہیں۔

علی عباس حسینی جب اپنی کوئی تحریر شائع کرنے کی غرض سے نقوش کو بھیجتے تو اس کے تعارف کے ساتھ دعوے بھی کرتے ہیں۔علی عباس حسینی نے ایک خط میں کہا:

''میں نے اپنا ناول ''حکیم بانا'' مکمل کر لیا ہے۔اردو ادب میں حاجی بغلول، خوجی، عمرو عیار قسم کے ایک کردار کا اضافہ ہے''۔

ان خطوط میں کچھ ایسے خطوط بھی ہیں جن سے علی عباس حسینی کے ادب کے حوالے سے نظریات واضح ہوتے ہیں۔یہ نظریات اصناف ادب کے حوالے سے بھی ہیں اور ادبی شخصیات کے حوالے سے بھی۔کہیں تنقیدی نظریات بھی واضح ہوتے ہیں۔اس طرح ان خطوط سے ادب کے حوالے سے جو معلومات فراہم ہوتی ہیں وہ ادب میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔دوسری طرف یہ تمام مکتوبات اردو ادب کے باب میں ہر لحاظ سے اضافہ ہیں۔

ادبی نوعیت کے خطوط کی اہمیت کے حوالے سے شمیم جہاں لکھتی ہیں:

ادبی نوعیت کے خطوط اپنے اسلوب، دلکش فنکارانہ انداز تحریر اور ادبی مواد کی وجہ سے ادب میں خاص مقام پاتے ہیں اور مکتوب نگار کے عہد کے ادبا، شعرا اور دانشوروں سے اس کے تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔مکتوب نگار کی علمی، ادبی سرگرمیاں، ادبی معیار اور مرتبہ، ادب سے اس کی دلچسپی کا اظہار ان خطوط کے ذریعے بخوبی ہوتا ہے۔اس کے علاوہ چوں کہ ان خطوط میں علمی بحثیں، ناقدانہ گفتگو، معاصرین، ادبا و شعرا کے کلام اور تخلیقات پر اظہار خیال کیا جاتا ہے۔اس لیے ان خطوط میں ایسے ادبی و علمی حقائق کا انکشاف ہوتا ہے اور ایسی معلومات فراہم ہوتی ہیں جو کسی تخلیق سے ممکن نہیں اور اپنی ادبی اہمیت کی بنا پر خطوط ادب کا حصہ بن جاتے ہیں۔(شمیم جہاں، مرتبہ خطوط مالک رام، دہلی، جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۹۷ء ص:۴۱)

ادب کے حوالے سے تنقیدی اور تجزیاتی نکتہ نظر کی وضاحت ان مثالوں سے ہوتی ہے۔علی عباس حسینی اردو افسانے کے حوالے سے پر امید تھے۔نوجوان افسانہ نگاروں کو وہ پرانے موضوعات رد کرنے اور نئے موضوعات لا کر افسانے میں جدت پیدا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

ان کے ایک خط محررہ ۳۰ اگست ۶۰ء میں ان کے نظریات کی وضاحت ملتی ہے:

اردو افسانے کو جس بلندی تک میرے ہم عصر لے گئے تھے نوجوان لکھنے والے ابھی تک وہاں نہیں پہنچے ہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے اس فن کو بہت آسان سمجھ لیا ہے اور وہ مغربی و مشرقی ادیبوں کے شاہکاروں کا مطالعہ نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو سرقہ پر اتر آتے ہیں۔ ورنہ یوں میرا یقین ہے کہ ہم خواہ دوسرے شعبہ ہائے ادب میں مغربی ممالک سے پیچھے ہوں مگر جہاں تک فسانوں کا تعلق ہے ہم اعلیٰ سے اعلیٰ مہذب ممالک کے مقابل ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کے وقتی جمود سے گھبرا کر اس کے مستقبل سے مایوس ہو جائیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہمارے فسانوں میں جن موضوعات پر اب تک زور دیا جا رہا تھا، وہ فرسودہ سے ہو گئے ہیں۔ ہم جنس کی کشش کو کافی اچھال چکے، ہم سرمایہ و مزدور کی جنگ کو سرِ بازار لا چکے، ہم فاشستیت کو کافی کوس چکے، ہم اشتمالیت کی کافی تبلیغ کر چکے، اب ضرورت ہے خود اپنے ملک کی ترقی میں حصہ لینے کی، ہر مزدور، ہر کسان، ہر محنت کش میں حوصلہ پیدا کرنے کی، نفرت، حسد، بغض و کینہ کی جگہ محبت و اخوت و مروت و سخاوت پھیلانے کی اور حب الوطنی کے ساتھ ساتھ ایک ایسا مشترکہ جذبہ انسانیت بیدار کرنے کی جو ہمیں عالمی جنگ سے محفوظ کر کے نسل انسانی کی بقا کا ضامن بن جائے۔ اردو ادیب ہمیشہ سے بین الاقوامیت کے حامی رہے۔ آیندہ نسل کا فرض ہے کہ وہ اپنے قلم سے اس مسئلے میں تلوار کا کام لے۔

ادبی شخصیات اور ان کی تصانیف کے حوالے سے علی عباس حسینی کے نظریات بھی معلوم ہوتے ہیں۔ فراق گورکھ پوری کی کتاب *اندازے*، کلیم الدین احمد کے حوالے سے اپنے نظریات اور قرۃ العین حیدر کے حوالے سے جو تنقید ملتی ہے وہ درج ذیل ہے۔

۵ مارچ ۵۹ء کے خط میں علی عباس حسینی لکھتے ہیں:

آج ''اندازے'' بھی ختم کیا ہے۔ حق یہ ہے کہ مصحفی، ذوق و حالی پر ان کے مضامین اردو ادب میں مستقل افسانے ہیں۔ جس طرح فراق نے ان تینوں شعراء کو دیکھا، سمجھا اور پیش کیا وہ اردو میں بالکل نیا ہے۔

۶ اگست ۱۹۶۱ء کے خط میں اپنے ایک مضمون ''عظیم بہ زبان کلیم'' کے حوالے سے اور کلیم الدین احمد سے اپنے تعلق کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہ مجھے کلیم سے کوئی پرخاش نہیں۔ جواب میں ان کی بزرگ داشت کا خیال رکھا گیا ہے اور جو

کچھ کہا گیا ہے وہ سخن گسترانہ ہے۔ عجب نہیں کہ نوجوانوں کو اس کے مطالعے سے شعر سمجھنے کا سلیقہ آئے۔

قرۃ العین حیدر کے حوالے سے ۹ جولائی ۶۶ء کے خط میں لکھتے ہیں:

ابھی صرف منٹو اور قرۃ العین حیدر کی کہانیاں پڑھیں۔ آخر الذکر بہت پسند آئی۔ یلدرم کی یہ بیٹی اگر ''پدر نتواند......'' کا مصداق بن رہی ہے۔ خدا کرے وہ بمبئی میں رہنے کے باعث سستی شہرت کا شکار نہ ہو جائے۔

علی عباس حسینی باقاعدگی اور مستعدی سے خط کا جواب نہیں دیتے تھے بلکہ اس سلسلے میں معذرت کر لیتے تھے۔

نقوش کے خاص نمبروں کی تعریف میں علی عباس حسینی نے اپنے خیالات کا اظہار بھی خطوط میں کیا۔ علی عباس حسینی نے ۱۱ فروری ۵۹ء کو لکھے گئے خط میں طنز و مزاح نمبر کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

نقوش کا طنز و مزاح نمبر ملا۔ آپ کے ہر خاص نمبر کی طرح یہ بھی تعریف سے مستغنی ہے۔ مضامین، ترتیب، کارٹون، طباعت، حجم ہر ایک اپنی اپنی جگہ یگانہ ہے۔ حقیقتاً نقوش کے خاص نمبر جادۂ ادب میں سنگ میل ہی نہیں بلکہ منزل کا مقام رکھتے ہیں۔ میری طرف سے دلی مبارک باد قبول کیجیے۔

شوکت نمبر کے حوالے سے اس طرح علی عباس حسینی ۲۲ جنوری ۱۹۶۳ء کے خط میں لکھتے ہیں:

شوکت نمبر بہت پسند آیا اگر آپ میرے متعلق ایسا ہی نمبر نکالنے کا وعدہ کریں تو میں جلد سے جلد مر کے دکھا دوں۔

غرض یہ کہ علمی و ادبی حوالے سے ان خطوط کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ یہ خطوط جہاں علی عباس حسینی کی شخصیت کا تعارف پیش کرتے ہیں وہاں معاصر ادبی صورت حال کا منظر نامہ بھی پیش کرتے ہیں۔

علی عباس حسینی کے ان خطوط کی ترتیب و تدوین کے دوران جو طریق اختیار کیا گیا ہے ذیل میں اس کی وضاحت ملاحظہ کیجیے:

علی عباس حسینی کی املا:

ہر دور میں زبان میں تبدیلیاں رونما ہوتی رہی ہیں۔ تلفظ اور املا میں اختلاف اس تبدیلی کی بنیادی وجہ ہے۔ مختاراتِ املائی کے تحت کسی مصنف یا شاعر نے قدیم املا کو اپنایا، کسی نے رائج، کسی نے غلط العام اور کسی نے غلط املا کو۔ زیرِ نظر افسانہ نگار کے خطوط میں ایک صورت ایسی بھی نظر آتی ہے جہاں چند الفاظ رائج، چند غلط، چند غلط العام اور چند درست املا کے تحت لکھ گئے ہیں یعنی ملا جلا انداز بھی ملتا ہے۔ الفاظ کو ملا کر لکھنے کا رجحان، علی عباس حسینی کے خطوط میں بہت کم ملتا ہے لیکن ہے ضرور مثلاً:

اس کی، اس کے، اس لیے، بےچینی، سن کر، لکھ کر، بھیج دی، دے دیتا، مبارک باد، بھیج دیجیے اور اس قدر جیسے الفاظ ملا کر لکھتے ہیں جنہیں منفصل کر دیا گیا ہے۔

چاہیے، لیے، دیے، کیے، لیجیے میں، ''ء'' اور ''ی'' دونوں کا استعمال کرتے ہیں۔ کہیں کہیں ''لیے'' کے لیے صرف ''ء'' کا استعمال بھی ملتا ہے اسے درست کے مطابق کر دیا گیا ہے۔

فرمایئے: اس لفظ کو علی عباسی حسینی نے بغیر ''ی'' کے ''فرمائے'' لکھا ہے جسے درست کے مطابق کر دیا گیا ہے۔

''ذ'' اور ''ز'' کا فرق: لفظ ''گذشتہ'' کو ''گزشتہ'' اور ''گذشتہ'' دونوں صورتوں میں لکھتے ہیں اِسے درست صورت دے دی گئی ہے۔

علی عباس حسینی شوشوں کا استعمال بھی با قاعدگی سے نہیں کرتے۔

''گنجایش'' اور ''فرمایش'' جیسے الفاظ درست طور پر لکھتے ہیں۔

الف پر ختم ہونے والے لفظ کو ہائے مختفی کے ساتھ لکھا ہے۔ لفظ ''پتا'' کو ہر جگہ ''پتہ'' لکھا ہے۔ اس طرح ڈھا کا کو ڈھا کہ لکھا ہے۔

''یہ'' لکھتے ہوئے ''ہ'' کا اضافہ کرتے ہوئے ''یہہ'' لکھا ہے جسے درست صورت دے دی گئی ہے۔ املا اور تلفظ کے حوالے سے قرۃ العین کا نام ''قراۃ العین'' الف کے اضافے سے لکھا ہے۔

''انشاء اللہ'' اور ''ماشا اللہ'' جیسے الفاظ کہیں درست صورت میں ملتے ہیں اور کہیں انشا

لآہ، ماشا الآہ کی صورت میں ملتے ہیں انہیں بھی رائج کے مطابق کر دیا گیا ہے۔

اوقاف کا استعمال:

علی عباس حسینی نے اوقاف کا استعمال با قاعدگی سے کیا ہے۔ ضرورت کے مطابق علامت ندائیہ، فجائیہ اور سوالیہ نشان کا استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ لفظ ''اور'' لکھنے سے قبل بھی علامت ختمہ کا استعمال کرتے ہیں اور بعض خطوط میں دو علامتیں اکٹھی بھی استعمال کر دی ہیں۔ مثلاً علامت ختمہ، سکتہ اور فجائیہ کا استعمال ایک ساتھ بھی ملتا ہے جسے جملے کی ضرورت کے مطابق کر دیا گیا ہے۔

واوین کا استعمال بہت احتیاط سے کرتے ہیں کتابوں اور مضامین کے عنوانات اور اقتباسات یا اقوال پر التزام سے واوین کا استعمال کرتے ہیں اور جہاں بات کو فوقیت دینے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں وہاں بھی واوین کا استعمال کرتے ہیں۔

القاب و آداب:

خطوط کے القاب و آداب سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کا آپس میں کیا تعلق ہے۔ علی عباس حسینی اپنے خطوط میں محمد طفیل کے لیے برادرم عزیز طفیل صاحب، مکرمی طفیل صاحب، تسلیم، مکرمی طفیل صاحب، عزیزم طفیل صاحب، مجی طفیل اور مجی تسلیم جیسے القاب و آداب کا استعمال کرتے ہیں۔ خط کے اختتام پر بندہ اخلاص علی عباس حسینی یا صرف علی عباس حسینی لکھتے ہیں۔

علی عباس حسینی محاوروں کا استعمال بھی اپنے خطوط میں کرتے ہیں اور محاورے بھی با قاعدہ واوین میں لکھتے ہیں۔

اکثر فارسی محاورے، مصرعے اور اشعار بھی استعمال کرتے ہیں۔ راقمہ نے ان کا ترجمہ حواشی میں دے دیا ہے۔

انگریزی الفاظ کی املا کو تبدیل نہیں کیا گیا اسے ہو بہو رکھا گیا ہے۔

علی عباس حسینی ہندسوں کا استعمال جہاں بھی کرتے ہیں زیادہ اردو میں ہی کرتے ہیں۔

علی عباس حسینی خطوط پر تاریخ لکھنا نہیں بھولتے صرف ایک خط میں سال درج نہیں باقی ان کے ہر خط پر تاریخ درج ہے۔

ان کے زیادہ خطوط پوسٹ کارڈ پر مشتمل ہیں اور لکھائی کافی چھوٹی ہے۔

علامات برائے تدوین:

بڑے قوسین [ ]:

ان مکاتیب میں جہاں جہاں بڑے قوسین ہیں وہ راقمہ نے درج ذیل ضرورت کے تحت لگائے ہیں۔

۱۔ جن خطوط پر تاریخیں درج نہیں ہیں ان پر تاریخیں درج کی گئیں اور وہ ان بڑے قوسین میں واضح کی گئی ہیں۔ ان تاریخوں کا تعین مختلف حوالوں اور داخلی شواہد کی بنا پر کیا گیا ہے۔

۲۔ کبھی عجلت میں یا روانی میں مکتوب نگار سے کوئی لفظ لکھنے سے رہ گیا تو اسے بڑے قوسین میں درج کر دیا گیا۔

۳۔ خط کے ختم ہونے کے بعد مکتوب نگار نے کوئی بات لکھی ہے اور اس کے مکرر لکھے جانے کی کوئی نشاندہی نہیں کی تو اس صورت میں اس کے شروع میں بڑے قوسین میں P.S لکھ دیا گیا ہے۔

پھول کا نشان *

خط اور پوسٹ کارڈ کے فرق کو واضح کرنے کے لیے پوسٹ کارڈ کے نمبر شمار کے ساتھ ستارے کی علامت لگا دی گئی ہے۔

ان الفاظ کے متن میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ مکتوب نگار کی منشا کے مطابق ہر سطر کو اس کے عین جگہ پر رکھا گیا ہے۔

حواشی:

ان مکاتیب کے حواشی مکتوب نگار کے خطوط کے اختتام پر دیے گئے ہیں۔ حواشی میں کوشش کی گئی ہے کہ ہر تفصیل طلب بات کی وضاحت کی جائے۔ اس کے علاوہ جن مکاتیب پر تاریخ درج نہیں تھی وہاں قیاس کر کے تاریخ درج کی گئی ہے اور اس حوالے سے معلومات حواشی میں دے دی گئی ہیں۔

یہ تمام خطوط زمانی اعتبار سے ترتیب دیے گئے ہیں۔ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجیے:

علی عباس حسینی

(۱۸۹۷ء۔۱۹۶۹ء)

(۱)*

۵۹ وزیر گنج لکھنؤ (ہند)

۲۹ نومبر ۵۱ء

مکرمی۔ تسلیم

گرامی نامہ غازی پور کی سیر کرتا ہوا یہاں پہنچا۔ معلوم ہوتا ہے نقوش بھی اسی کا واک راستے سے مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی صرف ایک کاپی اب تک میرے پاس پہنچی اور وہ بھی بڑی خستہ حالت میں۔ میں سمجھا نیا رسالہ نکالا گیا تھا بند ہو گیا۔ آپ کے خط سے پتا چلا کہ وہ زندہ و باقی ہے اور ماشاءاللہ ہاتھ پاؤں پھینک رہا ہے۔[۱]

میں جلد ہی اس کے لیے کوئی چیز لکھ کر بھیجوں گا مگر اس کی تازہ ترین اشاعت تو ارسال فرمائیے تاکہ صورتِ زیبا تو دیکھ لوں۔

امید ہے کہ مزاج بخیر ہو گا۔

علی عباس حسینی

(۲)

۵۹ وزیر گنج لکھنؤ

۷ مارچ ۵۲ء

مکرمی۔ تسلیم

میں شرمندہ ہوں کہ آپ کے متعدد خطوط کا جواب نہ دے سکا لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں حد درجہ مشغول تھا۔ بس اسی سے سمجھیے کہ دو فسانوں اور ایک مضمون کی داغ بیل ڈال چکا اور اس وقت تک ان میں سے کوئی بھی مکمل نہ ہو سکا۔ بہر نوع ان میں سے ایک نہ ایک اب کے اتوار کو ضرور مکمل کر دوں گا۔ اس کے بعد اسے صاف کرا کے حاضر خدمت کر دوں گا۔

نقوش کے گذشتہ نمبر کے بارے میں اپنی رائے اور تاثرات بھی اسی کے ساتھ ارسال کردوں گا۔ آپ مطمئن رہیں، ہفتہ عشرہ میں آپ کی خدمت میں دونوں چیزیں پہنچ جائیں گی۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

(۳)

۵۹ وزیر گنج لکھنؤ

۳۱ مارچ ۵۲ء

مکرمی۔تسلیم

لیجیے فسانے کی جگہ پورا ناولٹ[۲] حاضر ہے۔ اب دعا یہ ہے کہ آپ کے پاس پہنچ بھی جائے اور آپ کو پسند بھی آئے۔

رومانی چیز ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ کلاسکز کے رنگ کی ہوگئی ہے اور پھر

ع از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس ![۳]

اس کی رسید سے مطلع کیجیے گا۔

علی عباس حسینی

(۴)*

وزیر گنج لکھنؤ

۲۴ اگست ۵۳ء

مکرمی۔تسلیم۔آپ کے دونوں خط ملے۔

میں اپنے بڑے بھائی کے اچانک انتقال سے ان دنوں اس قدر ذہنی وقلبی امراض و آلام کا شکار رہا کہ میں جلد جواب نہ دے سکا۔ اس مہینے میں میرے لیے کوئی کہانی لکھنا محال ہے۔ ستمبر میں ریڈیو[۴] کے لیے ایک مضمون اور ایک کہانی لکھنا ہے۔ پھر ''آجکل''[۵] سے بھی ایک فسانے[۶] کا وعدہ ہے۔ انھیں کے لیے کوئی بات ابھی ذہن میں نہیں آئی۔ نقوش کے لیے کسی پلاٹ کا سوچ لینا امکان سے باہر ہے۔

اس لیے اس وقت معاف فرمایئے۔ پھر کبھی دیکھا جائے گا۔ والسلام

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

(۵)

۱۰۵ وزیر گنج لکھنؤ

۸ ستمبر ۵۳ء

مکرمی۔تسلیم

آپ کا تار بھی ملا اور خط بھی۔

کہانی ارسال ہے۔[۷] اس میں مشین کے مقابلے میں دستی صنعتوں کو ترجیح دی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ آپ اسے ترقی پسند نہ سمجھیں، لیکن آج کل کے بڑے سے بڑے مفکر اسی نتیجے پر پہنچ رہے ہیں کہ مشینوں کی حد سے زاید ایجاد بے روزگاری بڑھا رہی ہے اور قناعت کا خاتمہ کر رہی ہے۔ ریڈیو کے لیے ابھی تک کوئی کہانی نہیں لکھی۔ آج حاجی بغلول[۸] پر ٹاک ہے۔ اسی کو لکھ رہا ہوں۔

امید ہے کہ آپ کو کہانی پسند آئے گی۔ اس کا بھی خیال کیجیے کہ آپ معاوضہ بہت ہی کم دیتے ہیں۔ میں واقعی پچاس سے کم نہیں لیتا۔ امید کہ آپ اس کمی کو پورا کرنے کی طرف جلد توجہ فرمائیں گے۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

(۶)

۵۹ وزیر گنج لکھنؤ

۱۳ نومبر ۵۳ء

مکرمی۔تسلیم

گوناگوں مصروفیتوں کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی۔ جن صاحب کو فسانہ نقل کرنے کو دیا تھا وہ بھی علالت کی وجہ سے جلدی صاف نہ کر سکے۔ غرض آج دوسرا افسانہ ارسال ہے۔[۹]

یہ بالکل نیا ہے۔ ایک مرحوم شخصیت کی تحریفانہ سیرت ہے۔ اگر آپ کے ناظرین پسند کریں گے تو ان کی بیان کردہ اور بھی حکایتیں پیش کی جائیں گی۔ امید کہ آپ اسے ''مکڑی کے جال'' سے زیادہ پسند کریں گے۔ یہ البتہ ہے کہ نہ رومان اس میں تھا نہ اس میں ہے۔

آپ کی صحت و عافیت کے لیے دعا گو

علی عباس حسینی

(۷)*

۵۹ وزیر گنج لکھنؤ

۱۹ جنوری ۵۴ء

مکرمی۔ تسلیم

نقوش بھی ملا اور آپ کا کارڈ بھی۔ میں نقوش کا یہ نمبر از اول تا آخر پڑھنا بھی چاہتا تھا اور آپ کو اپنے تاثرات سے مطلع بھی کرنا چاہتا تھا لیکن وہی پارسال والا معاملہ پیش آیا۔ کوئی صاحب لڑکوں[۱۰] کے دوستوں میں سے اسے چرا لے گئے۔ تلاش کرتے کرتے پوچھتے پوچھتے تھک گیا۔ سنا ہے کہ اس کے آخر میں کسی صاحب نے فسانہ نویسوں پر بھی کچھ لکھا ہے اور اس سلسلے میں میری خبر بھی لی ہے۔[۱۱] چاہتا تھا اس مضمون کو ضرور پڑھوں۔ ممکن ہے کوئی ایسی خامی بھی انھوں نے لکھی ہو جس کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں برخود غلط لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ مجھے خود اس کا احساس ہے کہ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اسے میں اس طرح نہ کہہ سکا جس طرح دل چاہتا تھا۔ اسی احساس نے مجھے اس قدر کوتاہ قلم بنا رکھا ہے میں خود بھی نہ تو اپنے کو عالم سمجھتا ہوں اور نہ بڑا افنکار۔ یہ آپ ہی احباب زبردستی لکھوا لیتے ہیں۔ ورنہ مجھے لکھنے سے زیادہ مطالعہ پسند ہے۔ میں خوش ہوں کہ نقوش کے لیے آپ کے پاس دوسرا افسانہ بھی موجود ہے۔ اب ایک سال تک تو میں اس کے لیے فکر کرنے سے چھوٹا!

ہاں بھئی یہ بھی سنا ہے کہ کراچی سے میرا ناول ''شاید کہ بہار آئی'' شائع ہوگیا ہے۔[۱۲] عنایت کر کے اس کے پبلشر کو ایک خط لکھ دیجیے کہ مجھے بھی اس کی ایک کاپی بھیج دیں اور خود نقوش کے فسانہ نمبر کی ایک جلد اور ارسال فرمایئے تاکہ میں اسے پڑھ کر آپ کو اپنے تاثرات سے مطلع کروں۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

[P.S] مجھے ناول کے پبلشر کا نام اور پتا نہیں معلوم۔

(۸)

۵۹ وزیر گنج لکھنؤ

۶ دسمبر ۵۴ء

مکرمی۔ تسلیم

میں نے اپنا نیا ناول *حکیم بانا*[۱۳] مکمل کر لیا۔ اردو ادب میں حاجی بغلول، خوجی، عمرو عیار قسم کے ایک کردار کا اضافہ ہے۔[۱۴] اب میں ہفتہ عشرہ کے لیے خالی ہوں۔ اس لیے محبی پروفیسر مسعود حسن رضوی صاحب[۱۵] پر آپ کے شخصیات نمبر کے لیے مضمون لکھ سکتا ہوں[۱۶] لیکن اب ریٹائر ہونے کے بعد تصنیف و تالیف ہی ذریعہ معاش ہے۔ سرکاری رسالوں، ریڈیو اور غیروں سے فی مضمون یا فسانہ ساٹھ روپے اور احباب سے پچاس روپے لیتا ہوں۔ اگر آپ معاوضہ دینے کے لیے تیار ہوں تو میں مضمون لکھنے کا اہتمام کروں اور آپ معاوضہ ارسال کرنے کا انتظام اور اگر کوئی دوسرے صاحب یہ کار نیک کر رہے ہوں تو مطلع کیجیے۔

میرا اسیّد صاحب[۱۷] کا ساتھ ۱۹۱۵ء سے ہے جب ہم دونوں طالب علم تھے۔ الحمد للہ کہ چالیس برس کی یہ دوستی اب تک قائم ہے۔

میری لڑکی[۱۸] نے خود مجھ پر مضمون[۱۹] لکھنا شروع کیا تھا۔ غالباً بچوں کی علالت نے اسے تمام کرنے نہ دیا۔ عیال داری و خانہ داری کے جھگڑے اسے ایک اچھی مصنفہ بننے سے ہمیشہ مانع رہے ورنہ وہ ذوق سلیم بھی رکھتی ہے اور اسے لکھنے کا ڈھنگ بھی آتا ہے۔

امید کہ مزاج ہر طرح بخیر ہوگا۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

(۹)

۵۹ وزیر گنج لکھنؤ

۱۷ دسمبر ۵۴ء

مکرمی طفیل صاحب ۔ تسلیم

لیجیے ''ادبی دیو'' پروفیسر مسعود حسن پر مضمون حاضر ہے۔ کچھ تو خود انھوں نے مواد فراہم کرنے میں دیر کی۔ کچھ فادر کرسمس نے۔ بہر حال آپ کے شخصیات نمبر کے لیے سب سے زیادہ مکمل و جامع مضمون حاضر ہے۔

معاوضے کے روپے جلد سے جلد بھجوائیے۔

اعظم حسین صاحب [۲۰] کل آئے تھے۔ ان کا مضمون یگانہ پر تیار ہے۔ آج ہی شاید وہ بھی یگانہ پر مضمون روانہ کریں۔ [۲۱]

مسعود صاحب سے شاید آپ نے تصویر [۲۲] بھی مانگی ہے۔ وہ مصوّر کے اسٹوڈیو میں ہے۔ آج وہ علی گڑھ گئے ہیں۔ کل دوپہر آئیں گے۔ پرسوں تک وہ بھی بھیجیں گے۔

امید کہ مزاج ہر طرح اچھا ہوگا۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

مکرر آنکہ لڑکے کہتے ہیں میرا فوٹو آپ کے پاس نہیں۔ میرا خیال اس کے برعکس تھا۔ بہر حال وہ بھی لیجیے۔

(۱۰)*

۵۹ وزیر گنج لکھنؤ

۹ مارچ ۵۵ء

مکرمی ۔ تسلیم

میں نے ''یگانہ'' پر مضمون لکھنے والے اعظم صاحب کو اپنی جیب سے آج پچیس روپے دے دیے لیکن آپ کے امرتسری دوست [۲۳] اب تک بے خبر بیٹھے ہیں۔ عنایت کر کے انھیں تاکید لکھیے کہ وہ جلد سے جلد پینسٹھ روپے بھیج دیں۔

نہ جانے میری بچی کا مضمون آپ تک اب بھی پہنچا یا نہیں۔ ادھر ایک دن آئی تھی تو اس نے کہا تھا کہ اس نے نقل ہوائی ڈاک سے بھیج دی ہے۔

آپ نے علامہ تلہری [۲۴] کو کوئی خط لکھا یا نہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ اگر میرے حوالے سے انھیں لکھیں گے تو وہ ضرور مضمون لکھ دیں گے۔

منٹو نمبر [۲۵] کس منزل میں ہے؟

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

(۱۱)

105 B North Anec

New Delhi

15-12-56

مکرمی طفیل صاحب ۔ تسلیم

میں بیمار ہو کر بغرض علاج یہاں حیدر آباد ہوں۔ افسوس ہے کہ آپ کے فسانہ نمبر کے لیے کوئی نئی چیز نہ لکھ سکا لیکن میں نے اپنے فسانوں کا تازہ ترین مجموعہ [۲۶] آپ کی خدمت میں ارسال کر دیا ہے۔ اس میں سے ''نور و نار'' اپنے نمبر میں شامل کر لیجیے۔ [۲۷] مجھے اس فسانے پر ناز ہے اور وہ میری طرف سے طبقہ نسواں کی خدمت میں ہدیۂ عقیدت کی حیثیت رکھتا ہے۔

امید کہ اب آپ کا مزاج ہر طرح بخیر ہوگا۔

میرے لیے تو پیری وصد عیب [۲۸] والا معاملہ ہے۔ آپ کے لیے بیماری ''عذر لنگ'' کی حیثیت رکھتی ہے۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

(۱۲)

۵۹ وزیر گنج لکھنؤ

۲۵ نومبر ۱۹۵۸ء

برادر عزیز طفیل صاحب۔ سلام مسنون

آپ کا رجسٹری خط عرصہ ہوا ملا تھا۔ جواب میں تاخیر اس لیے ہوئی کہ خیال تھا کہ اگر ہو سکے تو آپ کی فرمائش پوری کر دوں اور لکھنوی ظرافت پر ایک مضمون ۲۹ لکھ دوں لیکن ادھر دو مہینے سے میں اردو کے محسن خاص جناب کلیم الدین احمد صاحب ۳۰ کے چکر میں پڑ گیا ہوں۔ ان کی ساری تصنیفات کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے چاہا کہ ایک مقالہ میں جواب میں لکھ دوں مگر جب لکھنے بیٹھا تو محسوس ہوا کہ میرے پاس بھی کچھ سخنہائے گفتنی ۳۱ ہیں اور ان کو سمیٹنے کے لیے ایک نہیں دو پوری کتابوں ۳۲ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اب دو کتابوں کو مکمل کر رہا ہوں۔ ایک تو وہ جو عظیم الدین احمد ۳۳ کے دیوان گل نغمہ ۳۴ کے متعلق ہوگی اور دوسری وہ ہوگی جس میں ان تمام اعتراضات کے مسکت جواب مع مثالوں کے یوں ہوں گے جو کلیم صاحب، ان کے ہم خیالوں اور ان کے پیش روؤں نے اب تک اردو شاعری پر کیے ہیں۔ گل نغمہ سے متعلق حصہ تو مکمل ہو چکا ہے لیکن اپنی شاعری کی خوبیوں والا حصہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ سارے اصناف سخن، غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، مسدس، مخمس، رباعی، مثلث، قطعہ، گیت، نظم، ترکیب بند، ترجیع بند، مستزاد ۳۵ وغیرہ وغیرہ جن چیزوں کو کلیم نے صرف ''مشق'' ۳۶ کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ ان میں سے ہر صنف سے بہتر سے بہتر مثالیں پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ ملامت کرنے والوں ہی کا دندان شکن جواب نہ ہو جائے بلکہ اردو کے حال و مستقبل کے طالب علم کے لیے وہ کتاب ایک خزانے کا کام دے سکے۔

اس طرح کی مشغولیت میں اس کی کہاں فرصت کہ میں ظریفوں کی تصنیفات پر وقت صرف کروں۔ اس کے لیے دو آدمی بہت ہی موزوں ہوں گے۔ ایک تو پروفیسر غلام احمد فرقت ۳۷، اینگلو عربک سکینڈری سکول، اجمیری گیٹ، دلی اور دوسرے جناب شیخ ممتاز حسین جونپوری ۳۸ صاحب، قومی گھر، ناران محل روڈ لکھنؤ۔ شیخ صاحب خود بھی کسی زمانے میں پنچ ۳۹ میں لکھا کرتے تھے اور ان میں سے اکثر ظرافت نگار حضرات سے ان کی ملاقات تھی۔ پھر انہوں نے ظریف ۴۰ کے دیوان دیوانچی ۴۱ پر مقدمہ ۴۲ بھی لکھا ہے اور فرقت صاحب اردو ظریفانہ نثر و نظم پر پی ایچ ڈی کے لیے ''تھیسس'' ۴۳ لکھ رہے اور اس موضوع پر دو کتابوں ۴۴ کے مصنف بھی ہیں۔ میں نے خود اس رنگ میں سوائے حکیم بانا کے اور کوئی کتاب نہیں لکھی ہے۔ ہاں دس بیس

مضامین ضرور لکھے ہیں وہ بھی زیادہ تر ریڈیو والوں کی فرمائش پر۔ مطبوعہ چیزوں میں ممتاز حسین عثمانی ۴۵ والے دور ۴۶ کے اودھ پنچ میں کچھ چیزیں مل جائیں گی۔ ایک مضمون علی گڑھ میگزین ۴۷ کے ۵۴-۱۹۵۳ء-۵۵-۱۹۵۴ء کے خصوصی نمبر میں رشید احمد صدیقی پر ہے ۴۸ یا دو ایک چیزیں فروغ اردو یا قومی آواز ۴۹ کے میگزین نمبروں میں ہیں۔ بہر حال ایک مطبوعہ مضمون ''کاہلی'' پر اور ایک غیر مطبوعہ مخصوص آپ کے لیے ''کلیمی کے احکام عشرہ'' کی سرخی سے تازہ بہ تازہ نو بہ نو لکھ کر ارسال خدمت ہے۔ یہ ان کے سخنہائے گفتنی میں ''ہ'' کا جواب ہے۔ اگر آپ کوئی معاوضہ بھیج سکیں گے تو میں یقینی ممنون ہوں گا، اس لیے کہ پنشن ۵۰ نے آمدنی اتنی محدود کر دی ہے کہ اب ہر خدمت قوت لایموت فراہم کرنے کی مترادف بن گئی ہے۔ شرم آتی ہے لیکن

آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج   احتیاج است، احتیاج است، احتیاج! ۵۱

امید کہ آپ کا مزاج ہر طرح بخیر ہوگا اور آپ اپنے مقاصد میں ہر نہج سے کامیاب ہوں گے۔ آپ اپنے خصوصی نمبروں کے ذریعہ جو ادبی خدمات انجام دے رہے ہیں شاید اس کی مثال دنیا کی کسی زبان میں نہ مل سکے گی۔ زیادہ اشتیاق ملاقات

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

(۱۳)

59, Wazir gunj, Lucknow

13-1-59

مکرمی۔ تسلیم۔ سال نو مبارک ہو!

آخر نومبر ۵۸ء آپ کی خدمت میں ایک پرانا مزاحیہ اور ایک نیا طنزیہ مضمون لکھ کر نقوش کے طنز و مزاح و ظرافت نمبر کے لیے ارسال کیا تھا۔ اب تک کوئی رسید نہ آئی۔ نہ جانے آپ کا مخصوص نمبر کس منزل میں ہے۔ خیال تھا اسی جنوری میں ''طلوع ۵۲'' ہونے والا تھا۔ کیا دیر ہے؟ ہم لوگ اس کی دید سے اب تک کیوں محروم ہیں؟ ۵۳

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

*(۱۴)

۵۹ وزیر گنج لکھنؤ

۱۱ فروری ۵۹ء

مکرمی طفیل صاحب۔ تسلیم

نقوش کا طنز و ظرافت نمبر ملا۔ آپ کے ہر خاص نمبر کی طرح یہ بھی تعریف سے مستغنی ہے۔ مضامین، ترتیب، کارٹون، طباعت، حجم ہر ایک اپنی اپنی جگہ یگانہ ہے۔ حقیقتاً نقوش کے خاص نمبر جادۂ ادب میں سنگ میل ہی نہیں بلکہ منزل کا مقام رکھتے ہیں۔ میری طرف سے دلی مبارک باد قبول کیجیے۔

میرے جو دو غیر مطبوعہ مضامین اس سلسلے میں آپ کے پاس رہ گئے ہیں ایک تو ''آنسوؤں کا ہار'' ۵۴ اور دوسرا ''نئے احکام عشرہ'' ۵۵ اگر آپ دونوں واپس بھیج دیں تو ممنون ہوں گا۔ دو چار خبریں اس ڈھنگ کی چھپ جانے کی وجہ سے اب یہاں کے رسالوں سے بھی فرمایشیں آ رہی ہیں۔

احتشام صاحب ۵۶ سے معلوم ہوا کہ آپ نے فراق کی ۵۷ دو کتابیں چھاپی ہیں۔ ۵۸ میں آج کل اردو شاعری پر ایک مبسوط کتاب لکھ رہا ہوں، جس میں ان تمام اعتراضات کے جوابات ہوں گے جو حالی سے اب تک ہماری شاعری یا اس کی کسی صنف پر کیے گئے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہر صنف شاعری سے بہتر سے بہتر چیزیں بطور نمونہ کے بھی پیش کی جائیں گی۔ اس لیے اگر آپ فراق کی کتابیں اور کسی دوسرے مصنف کی بھی کوئی کتاب جو اس موضوع میں مجھے مدد دے سکے مجھے ارسال کر دیں گے تو بے حد شکر گزار ہوں گا۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

*(۱۵)

۵۹ وزیر گنج لکھنؤ۔

۵ مارچ ۵۹ء

برادر عزیز۔ تسلیم

آپ کا مرسلہ پارسل مل گیا۔ اتفاق یہ کہ جس دن کتابیں ملیں اسی دن فراق بھی آ گئے۔ بڑے لطف کی باتیں رہیں۔ میں پہلے اردو غزل گوئی پڑھنا چاہتا تھا۔ وہ بے چین تھے کہ پہلے اندازے پڑھو۔ ''غزل گوئی'' کی داد تو انہیں میں زبانی دے چکا۔ آج اندازے بھی ختم کیا ہے۔ حق یہ ہے کہ مصحفی، ذوق و حالی پر ان کے مضامین اردو ادب میں مستقل اضافے ہیں جس طرح فراق نے ان تینوں شعرا کو دیکھا سمجھا اور پیش کیا ہے وہ اردو میں بالکل نیا ہے۔ میں تفصیلی خط انھیں لکھوں گا۔ آپ کو ان کتابوں کے شائع کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔

افسوس ہوا کہ آپ نے اپنے کرم میں اور وسعت نہیں پیدا کی اور اپنی تصنیف صاحب ۵۹ اسی پارسل میں نہ بھیج دی۔ اس کے دیکھنے کا بھی شوق ہے۔ ۶۰ اگر عبادت بریلوی اور فراق کی اس کتاب کے علاوہ پاکستان میں اردو غزل یا شاعری کی حمایت یا منقصت میں کوئی کتاب شائع ہوئی ہو تو اسے بھی عنایت کر کے بھیج دیجیے۔ میں اپنی کتاب کو ہر طرح جامع بنانا چاہتا ہوں۔

میرے بقیہ دو مضامین ۶۱ کا حشر بھی نہ معلوم ہو سکا۔ اگر آپ انہیں نقوش کی کسی آیندہ اشاعت میں شائع کرنا چاہتے ہوں تو اپنے پاس روک رکھیے ورنہ واپس کر دیجیے۔ میں یہاں کے کچھ تقاضوں سے چھٹکارا پا جاؤں گا۔

امید کہ مزاج ہر طرح بخیر ہوگا۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

*(۱۶)

۱۰۵ غوث گنج لکھنؤ

۱۳۰ اکتوبر ۵۹ء

مکرمی طفیل صاحب۔ تسلیم

آپ کا مطبوعہ خط بھی ملا اور کارڈ بھی۔

میں ادھر طرح طرح کی دماغی الجھنوں میں گرفتار رہا اس لیے جواب فوراً نہ دے سکا۔

میں آپ کے ''صاحب'' پر بھی کچھ لکھ رہا ہوں اور آپ کے نقوش کے لیے ایک فسانہ بھی لکھ رہا ہوں لیکن دونوں چیزیں ناتمام ہیں۔ دعا کیجیے کہ اللہ ان کے ختم کرنے کی توفیق دے!

رہا فسانے اور ناول کے مائل بہ انحطاط یا عروج کے متعلق کچھ لکھنا تو فی الحال اپنے بس کی بات نہیں معلوم ہوتی۔ اس لیے اسے زیادہ جواں بخت لوگوں کے لیے چھوڑتا ہوں۔ ہاں ادھر ایک دن علامہ اختر علی تلہری سے آپ کے اس خاص نمبر[۶۲] کا ذکر آ گیا تھا تو وہ شاعری پر ایک مقالہ لکھنے کے لیے تیار محسوس ہوتے تھے۔[۶۳] اس لیے آپ انہیں مندرجہ ذیل پتے سے فوراً ایک خط لکھ دیجیے۔ ان کا مقالہ علمی و ادبی حیثیت سے یقینی معیاری ہوگا۔ مولانا سید اختر علی تلہری، حسینین منزل وزیر گنج لکھنؤ۔

امید کہ آپ کا مزاج ہمہ وجوہ بخیر ہوگا۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

(۱۷)

105, Ghosgunj, Lucknow

24-11-59

لیجیے جناب طفیل صاحب۔ فسانہ[۶۴] بھی حاضر ہے اور صاحب پر تبصرہ بھی۔ دماغی سستی کا حال اسی سے سمجھ لیجیے کہ ۱۶ نومبر کا لکھا ہوا فسانہ لفافے میں یونہی رکھا ہے اور ''صاحب'' پر ڈیڑھ صفحہ لکھنے میں پورا ایک ہفتہ صرف ہو گیا۔ کبھی ڈیڑھ سطریں لکھیں تو کبھی دو۔ کبھی یہی سوچنے میں پورا دن گزار دیا کہ اب جو لکھنے بیٹھوں گا تو تمام کر کے ہی دم لوں گا، مگر ہر بات کے لیے وقت مقرر ہے۔ وہ وقت مقررہ آج کی صبح تھی۔ بہر حال یہ دونوں چیزیں ارسال ہیں۔ آپ کو پسند آئیں تو محنت سوارت، ورنہ اکارت! ہاں صاحب، اب ذرا معاملے کی بات سنیے۔ میرے ذمے پاکستان میں کچھ لوگوں کے پیسے باقی ہیں اور آپ کے ذمے میرے دو رسالوں اور متعدد مضمونوں کے معاوضے باقی ہیں۔ اس لیے حسب ذیل پتے پر Rs 150/- بھیج دیجیے اور ان کے سامنے لکھی ہوئی عبارت ان کے منی آرڈر کے کوپن پر لکھ دیجیے۔ میں ممنوں بھی رہوں گا اور سید[۶۵] ہونے

کے ناتے آپ کو دعائیں بھی دوں گا!

حسب ذیل پتہ پر Rs. 150/- کا منی آرڈر بھیج دیا جائے۔

Kh. Kazim Abrar C/O Kh. Akhtar Abbas

244/1 Mortin Road , Karachi-5

خواجہ کاظم ابرار معرفت خواجہ اختر عباس

۲۴۴/۱ مارٹن روڈ کراچی نمبر ۵۔

کوپن پر حسب ذیل عبارت لکھ دیجیے گا۔

''علی عباس حسینی'' کے معاوضے کی رقم ارسال خدمت ہے۔ اس میں سے سو روپے اپنے والد کو دے دیجیے گا اور پچاس ان کے بھانجے سید ساجد علی زیدی کو۔ حسینی کو رقم کی رسید سے مطلع کر دیجیے گا۔

ان بھائی بہن کا میں مقروض ہوں۔ آپ کی عنایت سے میں اس قرضے سے سبکدوش ہو جاؤں گا۔ اس لیے اس کار خیر کی طرف جلد سے جلد توجہ فرمائیے گا۔

غالباً آپ نے مولوی اختر علی تلہری صاحب کو کوئی خط نہ لکھا۔ وہ صحیح معنوں میں علامہ ہیں اور ان کا مضمون آپ کے خاص نمبر کی قدر و قیمت کو بڑھا دے گا۔ میں نے ان کو شاعری پر مضمون لکھنے کے لیے آمادہ کر لیا ہے۔ مگر آدمی آن کے ہیں، جب تک آپ کی طرف سے استدعا نہ کی جائے گی وہ نہ لکھیں گے۔ ان کا پتا ہے۔ سبطین منزل، وزیر گنج لکھنؤ۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ خط لکھنے کا پتہ اس وقت موجود نہیں اس لیے یہ خفت معاف کیجیے گا۔ پیڈ کا انتظار کرتا تو پھر آج بھی خط نہ جا سکتا۔

زیادہ سلام شوق۔ علی عباس حسینی

(۱۸)

۱۰۵ غوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ

۳۰ اگست ۶۰ء

بھائی طفیل صاحب۔ تسلیم

نقوش کا خاص نمبر بھی ملا اور بعد کا نمبر بھی۔[۶۶] آپ کے دو خط بھی ملے۔ جواب میں

اس لیے تاخیر ہوئی کہ چاہتا تھا کہ افسانہ نمبر کے لیے کوئی افسانہ[۶۷] لکھ لوں تو وہی معقول جواب ہو گا۔ چنانچہ آج بحمدہٗ اس قابل ہوا کہ آپ کے نمبر کے لیے کہانی تیار کر سکا۔ وہ ارسال ہے۔ امید ہے کہ شاید پسند بھی آئے۔

افسانہ نگاری اور آج کل کے افسانہ نگاروں کے متعلق کچھ لکھنا وقت چاہتا ہے اور بہت سی سہولتیں، دونوں مجھے نصیب نہیں۔ بہر حال یہ یقین ہے کہ اردو افسانے کو جس بلندی تک میرے ہم عصر لے گئے تھے نو جوان لکھنے والے ابھی تک وہاں نہیں پہنچے ہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے اس فن کو بہت آسان سمجھ لیا ہے اور وہ مغربی و مشرقی ادیبوں کے شاہکاروں کا مطالعہ نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو ''سرقہ'' پر اتر آتے ہیں ورنہ یوں، میرا یقین ہے کہ ہم خواہ دوسرے شعبہ ہائے ادب میں مغربی ممالک سے پیچھے ہوں مگر جہاں تک فسانوں کا تعلق ہے ہم اعلیٰ سے اعلیٰ مہذب ممالک کے مقابل ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کے وقتی جمود سے گھبرا کر اس کے مستقبل سے مایوس ہو جائیں۔ ہاں، یہ ضرور ہے کہ ہمارے فسانوں میں جن موضوعات پر اب تک زور دیا جا رہا تھا وہ فرسودہ سے ہو گئے ہیں۔ ہم جنس کی کشش کو کافی اچھال چکے، ہم سرمایہ و مزدور کی جنگ کو سر بازار لا چکے، ہم فاشستیت کو کافی کوس چکے، ہم اشتمالیت کی کافی تبلیغ کر چکے، اب ضرورت ہے، خود اپنے ملک کی ترقی میں حصہ لینے کی، ہر مزدور، ہر کسان، ہر محنت کش میں حوصلہ پیدا کرنے کی، نفرت، حسد، بغض و کینہ کی جگہ، محبت و اخوت و مروت و سخاوت پھیلانے کی، اور حب الوطنی کے ساتھ ساتھ ایک ایسا مشترکہ جذبہ انسانیت بیدار کرنے کی جو ہمیں عالمی جنگ سے محفوظ کر کے نسل انسانی کی بقا کا ضامن بن جائے۔ اردو ادیب ہمیشہ سے بین الاقوامیت کے حامی رہے۔ آیندہ نسل کا فرض ہے کہ وہ اپنے قلم سے اس مسئلے میں تلوار کا کام لے!

آپ کی خواہش کے مطابق دوسرے پاکستانی رسالوں کو اپنی مطبوعہ چیزیں چھاپنے سے منع کر رہا ہوں۔ لیکن نقش[۶۸] والے مجھ سے اس کی اجازت پہلے سے لے چکے ہیں۔ اس لیے اگر انھوں نے نقوش میں مطبوعہ کوئی چیز اپنے ہاں چھاپ دی ہو تو انھیں ایک بار معاف کر دیجیے گا، آپ کی warning کے بعد اگر وہ اس طرح کی حرکت کریں تو یقینی قانونی چارہ جوئی کے مستحق ہوں گے۔

اور کیا عرض کروں۔ روزانہ تلاوت قرآن مع ترجمہ و تفسیر کرتا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ آپ بھی اس کار ثواب میں کسی حد تک شریک ہو جائیں۔ اس لیے عبداللہ یوسف علی[۶۹] نے جو

کلام مجید کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا ہے اور جسے شیخ محمد اشرف، کشمیری بازار، لاہور نے شائع کیا ہے اس کی ایک جلد بھیج کر مجھے ممنون فرمائیے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے کاروبار میں اس سے بڑی برکت ہوگی۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

بندۂ اخلاص　　　　علی عباس حسینی

(۱۹)

۱۰۵اغوث گنج، وزیر گنج لکھنوٴ

۲۳ستمبر۶۰ء

عزیزی طفیل صاحب۔ سلام و دعا

تقریباً ایک ہفتہ ہوا ہے کہ آپ کا خط ملا۔ آپ کی فرمایش ضرور پوری کر دیتا مگر ان دنوں دو تین دوستوں کے انتقال نے غیر شعوری طور پر کچھ اس طرح مضمحل بنا دیا ہے کہ کچھ بھی لکھنے کو جی نہیں اٹھتا۔ بس اسی سے سمجھئے کہ جس دن سے آپ کا خط آیا ہے جواب لکھنے کا قصد کر رہا ہوں اور ہر روز ٹالتا چلا گیا۔

پھر بھی آپ کے نئے صاحب[۷۰] پر ضرور لکھوں گا۔

صاحب　پر میرا مختصر نوٹ ارسال فرما دیجیے۔ میں بعد کے مضامین پر نظر ڈال کر اس نوٹ کو ایک مضمون کی صورت دے دوں گا۔

فسانہ نگاری پر میں کوئی سطحی طرح کا چلتا ہوا مضمون نہیں لکھنا چاہتا۔ میں نے چالیس برس اس فن کی زلفوں کے سنوارنے میں صرف کیے ہیں[۷۱] اور مولانا حالی کے لفظوں میں ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے۔ کہنے کا بھی ایک حد تک میں حق رکھتا ہوں اس لیے کوئی سرسری سی چیز لکھ کر اپنا بھرم نہیں کھونا چاہتا اور ڈٹ کر پوری توجہ سے کچھ لکھنا اس وقت ناممکن ہے۔

اس لیے اب کے معاف کر دیجیے۔ پھر اگر زندگی ہے تو یار زندہ صحبت باقی

امید کہ آپ کا مزاج بخیریت ہوگا میں اب چونسٹھ برس کا ہو گیا ہوں[۷۲] اور وہ عناصر کا اعتدال کہاں؟[۷۳]

قرآن حکیم کے متعلق میری فرمایش فراموش نہ فرمائیے گا

عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ مل جائے تو ضرور ارسال فرما دیجیے گا۔

اللہ تعالیٰ بہت سا اجر دے گا!

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

(۲۰)

۱۰۵ اغوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ

۱۵ مئی ۱۹۶۱ء

برادرم طفیل صاحب۔ سلام مسنون۔

نقوش کے تازہ ترین نمبر کے ایک ادارتی نوٹ ۴؎ سے معلوم ہوا کہ آپ نصیب دشمناں کچھ ماندے ہو گئے ہیں اور بیماری کے طور و تیور وہی ہیں جو جنابوں اور صاحبوں کے لیے مخصوص ہیں۔ ہم ان دونوں خطابات کو آپ کے لیے پہلے ہی سے تسلیم کیے بیٹھے ہیں۔ پھر اس قدر شدید اصرار سے اسے منوانے کی کوشش کیوں؟

خیر، یہ مسخری بیماریاں تو انسان کے ساتھ تھوڑی بہت لگی ہی رہتی ہیں۔

ان کا رونا کہاں تک۔ یقین ہے کہ آپ نے کسی نہ کسی داؤ پر اسے چڑھا کر پچھاڑ دیا ہوگا اور اب خم ٹھونکے کسی نئے نمبر کی تیاری میں مشغول ہوں گے۔

بہر حال علالت کی خبر سے تعلق خاطر ہے اس لیے جلد سے جلد خیریت سے مطلع کیجیے۔

جناب اور صاحب پر میں نے تبصرہ تو لکھ لیا ہے ۵؎ اب ذرا امتحانوں کے کام سے چھٹی ملے تو اسے صاف کر کے آپ کے پاس بھیج دوں۔ کلیم الدین احمد صاحب کی خاص پسندیدہ شاعری گل نغمہ پر ایک بسیط مضمون لکھ رکھا ہے، جو ایک رسالے کی صورت میں شائع کیا جا سکتا ہے۔ میں نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ کیا میں اسے آپ کے پاس بھیج دوں اور کیا آپ اسے کتابی صورت میں شائع کرنا پسند کریں گے؟ غالباً علالت کی وجہ سے آپ جواب نہ دے سکے۔ میں آپ کے فیصلے کا منتظر رہوں گا۔ والسلام

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

(۲۱)

۱۰۵ اغوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ

۲۳ مئی ۶۱ء

عزیزم طفیل صاحب۔ تسلیم

آپ کا غیر مطبوعہ و مطبوعہ خط ملا، حسب فرمایش تینوں چیزیں اس پیکٹ میں ارسال ہیں۔ ۶؎ اب آپ ان کا کیا حشر کریں گے۔ یہ آپ جانیں۔

آپ کی علالت سے تعلق خاطر ہے۔ غالباً اس سے پہلے والا خط استفسار مزاج کے متعلق ہوگا۔ دعا یہ ہے کہ خداوند کریم آپ کو جلد سے جلد صحت دے اور بہ عافیت رکھے۔

قرآن مجید کے ترجمے کے متعلق چشم براہ رہوں گا، دوسرے احمد ۷؎ کے بارے میں جب آپ بالکل پہلے کی طرح صحیح تندرست ہو جائیں گے تو باتیں ہو رہیں گی۔ اس وقت آپ اچھے ہونے اور جلد سے بالکل اچھے ہونے کی کوشش کیجیے۔ آپ کو ابھی نقوش کے اور بہت اچھے اچھے خاص نمبر نکالنے ہیں اور صاحب و جناب کے بعد ''قبلہ'' اور ''مدظلہ'' قسم کی چیزیں بھی لکھنا ہیں۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

(۲۲)*

دفتر یادگار انیس کمیٹی ۸؎ — فون نمبر ۶۸۳۹

ادبستان دین دیال روڈ لکھنؤ

تاریخ ۶ اگست ۱۹۶۱ء

مکرمی طفیل صاحب۔ سلام مسنون

کلام مجید کا پارسل ملا، دل سے دعائیں نکلیں۔ خداوند کریم آپ کو اس دنیا اور اُس دنیا دونوں مقامات میں کامیابی و رستگاری دے!

امید کہ آپ کا مزاج اب ہر طرح اچھا ہوگا۔ ''عظیم بہ زبان کلیم'' کے متعلق آپ نے کیا

طے کیا؟ رسالے میں چھپے گا یا کتابی صورت میں! یہ مجھے کلیم سے کوئی پرخاش نہیں۔ جواب میں ان کی بزرگ داشت کا خیال رکھا گیا ہے اور جو کچھ کہا گیا ہے وہ سخن گسترانہ ہے۔ عجب نہیں کہ نوجوانوں کو اس کے مطالعے سے شعر سمجھنے کا سلیقہ آئے۔

مخلص

علی عباس حسینی

*(۲۳)

۱۰۵ غوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ

۲۶ اکتوبر ۶۲ء

مکرمی طفیل صاحب۔ تسلیم

آپ کے مطبوعہ خطوط ملے اور رجسٹری خط بھی ملا۔ کہانی لکھ رہا ہوں اور چار دن میں بھیج دوں گا۔ اب کے فوٹو کی پخ آپ نے اچھی لگا دی ہے۔ اب جو کچھ دیر ہوگی اسی کی وجہ سے ہو گی۔

اب آپ کو کہانی بھیج لوں تو یہ لکھوں کہ آپ میرے لیے کیا بھیجیں۔ بہر حال اب آج کل میری دلچسپی کی چیز قرآن مجید اور اس کے مختلف تراجم اور تفسیریں ہیں۔ علامہ پرویز[۷۹] نے کیا لکھا ہے، مولانا مودودی[۸۰] نے قرآن کن کن طریقوں سے سمجھایا ہے اور دیگر سنی وشیعہ علما کی کون کون سی تفسیریں اردو میں چھپی ہیں ان سب کو رکھنا چاہتا ہوں۔ یہ سب آپ کو ایک ایک کر کے یا ایک ساتھ مجھے بھیجنا ہیں۔ کہانی لکھنے والا احسن القصص سے Inspration حاصل کرنا چاہتا ہے۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

*(۲۴)

۱۰۵ غوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ

۲۳ جنوری ۱۹۶۳ء

محبی طفیل صاحب۔ تسلیم

نقوش کا سالنامہ[۸۱] ملا اور اپنے پورے آب وتاب کے ساتھ ملا۔ اب تو ہم آپ کے ہر نمبر کو اس طرح دیکھتے ہیں کہ منہ کھلا کا کھلا رہ جاتا ہے۔ اور سوائے واہ! واہ کے کوئی آواز ہی نہیں نکلتی۔ اس لیے حسن طباعت وترتیب وادارت کے متعلق کچھ کہنا ہی بے کار ہے۔

مجھے خاص طور سے دو چیزیں بہت پسند آئیں ایک تو حجاب امتیاز علی صاحبہ[۸۲] کے ''سوکھے پتے''، اور دوسرے جوگندر پال[۸۳] کا ''رنگوں کا بھرم''، ان دونوں صاحبان قلم تک میرا ہدیہ تبریک پہنچا دیجیے گا۔ احمد ندیم قاسمی[۸۴] کا ''فیشن''، بھی ایک معیاری چیز ہے اور اس کا خاتمہ حسن کے کمال کی دلیل، ان کو بھی سلام شوق۔

میں اب تک اپنی فرمایشوں کا منتظر ہوں۔ امید کہ آپ کارنامہ ادب سے اب فرصت پا کر شاہکار ثواب کی طرف جلدی متوجہ ہوں گے۔ نقوش کی تازہ ڈائری اور کیلنڈر کا بھی متمنی ہوں۔

امید کہ مزاج اچھا ہوگا۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

*(۲۵)

۱۰۵ غوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ

۱۳ اکتوبر ۶۳ء

محبی طفیل صاحب۔ تسلیم

شوکت نمبر[۸۵] بھی ملا اور آپ کا خط بھی۔ تعجب ہے کہ اس کے پہلے کا خط ڈاک والوں نے کیوں واپس کر دیا۔ گو مکان پرانا ہے مگر وہ ابھی تک گرا نہیں اور میں بوڑھا ہونے پر ہنوز منوں مٹی کے نیچے دبا نہیں۔

''آپ بیتی''، ضرور لکھوں گا۔[۸۶] آخر وقت اپنے ہاتھوں یہ رسوائی بھی سہی! لیکن دسمبر سے قبل دم مارنے کی فرصت نہیں۔ اگر اس سے پہلے آپ کا نمبر نکل رہا ہو تو مجبوری ہے۔ میں نے لکھا تھا کہ مجھے پاکستان میں چھپنے والے تراجم وتفاسیر قرآن میں دلچسپی ہے بظاہر آپ یہ ''ثقات''

والی بات بھول گئے۔ بہر حال اب سے دو کتابوں کی طرف ضرور توجہ فرمائیے۔ (۱) ترجمہ قرآن بہ زبان انگریزی از مولانا عبدالماجد دریابادی ۸۷ء (۲) ترجمہ یا تفسیر قرآن از پرویز صاحب۔

شوکت نمبر بہت پسند آیا اگر آپ میرے متعلق ایسا ہی نمبر نکالنے کا وعدہ کریں تو میں جلد سے جلد مر کر دکھا دوں!

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

بندۂ اخلاص　　علی عباس حسینی

(۲۶)

۱۰۵ غوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ۔

(بی/۱۱/۱۱ گوری گنج بنارس)

۲۶ نومبر ۶۳ء

مکرمی طفیل صاحب۔

تسلیم

مجھے افسوس ہے کہ میں مختلف مشغولیتوں کی وجہ سے آپ بیتی اب تک نہ لکھ کر بھیج سکا۔ آج کل میں ایک لمبی کہانی کے سلسلے میں مستقل سفر میں ہوں۔ چنانچہ یہ خط بنارس سے ارسال خدمت ہے۔

عرض یہ ہے کہ میرا چھوٹا بھائی حسن عباس حسینی ڈھاکا میں اسسٹنٹ منیجر ہے۔ اس کے بڑے لڑکے کی وہاں شادی ہے۔ میں اسے نوید بھیجنا چاہتا ہوں، اس لیے آپ سے استدعا ہے کہ مبلغ/51 (اکاون) روپے اسے بذریعہ تار اس پتے پر بھیج دیجیے۔

Husaini , 25/1 ARAMBAGH, MOTIJHEEL, DACCA

تار میں لکھ دیجیے گا

With Blessings of Ali Abbas Husaini

میں بہت بہت شکر گزار رہوں گا۔ یکم دسمبر کو اس نے بچے کی دعوت ولیمہ کی ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ یہ روپیہ حسن عباس سلمہٗ کو اس وقت تک مل جائے۔ اگر خط دیر میں ملے تو بھی رقم ضرور انھیں ارسال فرما دیجیے گا۔ اس طرح اس دورافتادہ کی آپ کی بدولت اس

تقریب میں شرکت ہو جائے گی۔

میرا یہ سفری دورہ ۸ دسمبر تک ختم ہوگا۔ میں آپ کو ''آپ بیتی'' دسمبر کے آخری ہفتے سے پہلے نہیں بھیج سکتا۔ اگر اس وقت تک اس کے پہنچنے میں زیادہ ضروری نہ ہو تو لکھنؤ کے پتے سے مطلع فرمائیے۔ میں وہاں یکم و دوم دسمبر کو ضرور رہوں گا۔

امید کہ آپ کا مزاج ہر طرح بخیر ہوگا۔

بندۂ اخلاص　　علی عباس حسینی

(۲۷)

۱۰۵ غوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ

۹ جنوری ۶۴ء

مکرمی طفیل صاحب۔ تسلیم

ڈائری ملی۔ یادآوری کا شکریہ الگ اور تحفے کا شکریہ الگ۔

میں نے بنارس سے ایک خط آپ کو لکھا تھا جس میں اپنے چھوٹے بھائی کو اس کے بچے کی شادی کے سلسلے میں کچھ رقم بھیجنے کی گزارش کی تھی۔ نہ جانے وہ خط آپ کو ملا یا نہیں۔ کوئی اطلاع نہ ملی۔

یہ بھی نہیں معلوم کہ آپ کا ''آپ بیتی'' نمبر کس منزل میں ہے۔ میں نومبر میں دورہ کرتا رہا۔ اس پیرانہ سالی میں کچھ ایسے ہی کام درپیش آگئے تھے کہ دور دراز مقامات کا چکر لگانا پڑا۔ دسمبر میں کچھ تو تکان سے پڑا رہا۔ پھر ایک فرمائشی لمبی کہانی لکھنے میں مشغول رہا اور ہوں۔

اگر آپ اب بھی میری ''آپ بیتی'' چاہتے ہوں تو میں جنوری کے آخری ہفتے میں لکھ کر بھیج سکتا ہوں۔

امید کہ آپ کا مزاج ہر طرح بخیر ہوگا۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

(۲۸)*

۱۰۵ غوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ

۱۶ اکتوبر ۶۴ء

مجی طفیل صاحب۔تسلیم

میں ادھر مختلف طرح کی پریشانیوں میں گرفتار رہا، اس لیے آپ کو آپ بیتی نمبر پر ہدیہ تبریک بھی نہ پیش کر سکا۔ مہینوں اس کا مرعوب کن حجم دیکھ کر اسے پڑھنے کی ہمت نہ پڑی۔ بارے شروع کیا تو ختم ہونے ہی کو نہیں آتا۔ خدا جانے آپ کتنی محنت ہر نمبر پر کرتے ہیں اور نہ معلوم کتنا سرمایہ آپ نے ایسے نمبروں کے نکالنے کے لیے جمع کر رکھا ہے کہ ہر ایک نیا خاص نمبر اپنے پچھلے نمبروں پر فوقیت لیتا جاتا ہے۔ یہ اتنا کامیاب نمبر ہے کہ مجھے افسوس ہوا کہ میں نے کیوں نہ سارے کام چھوڑ کر اپنی آپ بیتی بھی آپ کے حسب فرمایش لکھ کر بھیج دی۔ بہر حال میری طرف سے اس نمبر پر دلی مبارک باد قبول کیجیے۔

ایک خاص بات جو عرض کرنا تھی وہ یہ ہے کہ صبح نو پٹنہ (بہار) دسمبر کے آخر میں ایک حسینی نمبر نکال رہا ہے ۸۸ اس سلسلے میں میں نے ''اپنی زندگی کے چند اوراق پریشاں'' ۸۹ لکھ ڈالے ہیں۔ اگر آپ اس سلسلے کی کوئی تیسری جلد ۹۰ نکال رہے ہوں میں اس کی ایک نقل آپ کو بھیج دوں۔ یہ اس لیے اور بھی مناسب ہوگا کہ آپ نے جو لاہور نمبر نکالا تھا سید محمد توختہ (مدفون بہ لاہور) کی اولاد کے ذکر میں یہ تحریر کیا ہے کہ غالباً ان کے اولاد نرینہ نہ تھی۔ حالانکہ ملک السادات سید مسعود غازی حسینی الترمذی بانی غازی پور (یو۔پی) انہیں سید محمد توختہ ابن سید احمد توختہ کی نسل سے ہیں اور یوں غازی پور کے حسینی و عابدی و ترمذی سادات انہیں کی نسل سے۔ میں نے اس سلسلے میں تھوڑا سا نسب نامہ بھی نقل کر دیا ہے۔ یوں لاہور نمبر کی تحریر سے جو غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے رفع ہو جائے گی۔ ۹۱

امید کہ آپ کا مزاج ہر طرح بخیر ہوگا اور جواب جلد ارسال فرمائیں گے۔

بندہ اخلاص

علی عباس حسینی

(۲۹)

۱۰۵ا غوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ ۹۲

۱۱۳ اکتوبر ۶۴ء

مجی۔تسلیم

اس کے قبل آپ کو ایک خط اپنے سوانح کے سلسلے میں لکھ چکا ہوں۔ جواب کا منتظر ہوں۔ یہ خط صرف یہ دریافت کرنے کے لیے لکھ رہا ہوں کہ کیا آپ ادارۂ فروغ اردو کی طرف سے میرے کچھ افسانوں کا ایک مجموعہ شائع کرنا پسند کریں گے۔ معاملہ یہ ہے کہ میرا ایک مجموعہ ۹۳ تقریباً دس فرد کتابت کیا ہوا کراچی میں موجود ہے۔ چونکہ یہ کتابت تقریباً آٹھ برس پہلے ہوئی تھی۔ اسی لیے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ کس قدر کام دے سکے گی۔ وانڈائک پر ہے، مگر عرصہ بھی طویل گزرا۔ لیکن اس میں زیادہ تر افسانے ایسے ہیں جو ایک حد تک شاہکار کہے جا سکتے ہیں۔ اسی مجموعہ کا نام ہے *الجھے دھاگے*۔ اگر آپ اس مجموعے کو شائع کرنا پسند کریں تو آپ حسب ذیل پتے پر فوراً خط یا تار دے کر اسے منگوا لیجیے اور مجھے اطلاع کر دیجیے۔ میں نے ان کو اس سلسلے میں ہدایت دے دی ہے۔

S. Hasan Saeed, iv - D- 15/6C , Nazimabad, Karachi- 18

اس معاملے میں جلدی اس لیے ہے کہ میں نے انھیں لکھ دیا ہے کہ اگر آپ وہ مجموعہ نہ طلب کریں تو وہ میرے پاس ایک عزیزہ کے ہمراہ جو اسی مہینے کی آخری تاریخوں میں آ رہی ہیں واپس بھیج دیا جائے۔

افسانوں میں رد و بدل کا آپ کو اختیار ہوگا یعنی آپ اس میں سے دو ایک افسانے نکال کر ان کی جگہ دوسرے افسانے جو نقوش میں یا کسی پاکستانی یا ہندوستانی رسالے میں شائع ہوئے ہوں یقینی رکھ سکتے ہیں۔ آپ کے نقوش کا شائع شدہ ''سیکرٹری'' میں اس میں ضرور شریک کرنا چاہتا ہوں۔

امید کہ آپ جواب سے جلد سرفراز کریں گے۔

اور بھائی خدا کے واسطے اس خط کے پاتے ہی میری حسب ذیل کتابیں خرید کر مجھے بھیج دیجیے۔ ۹۴

۱۔ *رفیق تنہائی* ۹۵ ۲۔ *باسی پھول* ۹۶ ۳۔ *میلہ گھومنی* ۹۷

یہ تینوں میرے پاس نہیں ہیں اور احباب انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ مجھے خود ہی تو یہ یاد نہیں کہ ان میں کون کون سے افسانے ہیں۔ اس لیے مجھ پر کرم خاص کیجیے۔ یہ تینوں مجموعے ضرور بھجوائیے۔

خدا کرے آپ ہر طرح بخیر ہوں۔

مخلص

علی عباس حسینی

(۳۰)

۱۰۵ اغوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ

۴ دسمبر ۶۴ء

مجی طفیل صاحب۔ تسلیم

نقوش کا ''معمولی نمبر''[۹۸] ملا اور اس سے اس داد تحسین و آفرین کا حال معلوم ہوا جو آپ نے پاکستان کے اہل قلم سے وصول کیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کا ہر خاص نمبر ایک عظیم کارنامہ ہوتا ہے اور اب دنیا کی کسی زبان کا کوئی رسالہ خاص نمبروں کے نکالنے میں آپ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ خدا نظر بد سے بچائے!

میں نے ادھر آپ کو دو تین خط لکھے مگر کسی کا جواب نہ ملا۔ اب میری یہ دو گزارشیں ذرا دھیان سے سنیے اور اگر آپ سے کچھ ہو سکے تو ان معاملات میں میری مدد کیجیے۔

۱۔ لاہور اکادمی پاکستان نے میری کتاب *ناول کی تاریخ اور تنقید*[۹۹] کا پاکستانی ایڈیشن بغیر میری اطلاع اور اجازت کے چھاپ لیا ہے۔ آپ غالباً ان حضرات سے واقف ہوں گے۔ انھیں اپنے طور پر سمجھائیے کہ وہ مجھے کتاب کی رائلٹی عنایت فرمائیں جو Rs.1275/- ہوتی ہے۔ ورنہ میں شاہد احمد دہلوی صاحب،[۱۰۰] جوش صاحب[۱۰۱] اور آپ کے ذریعے سے اس معاملے کو رائٹرس گلڈ میں بھی پیش کروں گا اور اپنے بھائی، بھانجے، بہنوئی میں سے ایک کو (جو پاکستانی ہیں) اس کے حقوق ہبہ کر کے باقاعدہ عدالتی چارہ جوئی کروں گا۔

ان سے گفتگو کے نتیجے یا اپنے مشورے سے مطلع فرمائیے۔

۲۔ میں اس کتاب کے پاکستانی ایڈیشن کے لیے اس کتاب میں ترمیم و تنسیخ کرنا چاہتا ہوں اور ایک باب کا مستقل طور پر اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ چونکہ یہ کتاب ۱۹۴۴ء میں لکھی گئی تھی اس لیے چاہتا ہوں کہ اس بیس برس میں جو نئے نئے ناول لکھے گئے ہیں ان پر ایک نیا باب لکھ کر بڑھا دوں۔ اس سلسلے میں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ مجھے نہ تو پاکستان کے مصنفین کے پتے معلوم ہیں اور نہ پبلشروں کے پتے۔ اس لیے آپ اپنے حلقہ اثر میں کہہ کر میرے پاس قابل ذکر

مصنفین کی کتابیں ارسال کرا دیجیے۔ احمد ندیم قاسمی صاحب، ممتاز مفتی صاحب[۱۰۲] وغیرہ کے پتے لکھ بھیجیے تاکہ میں انھیں براہ راست لکھ سکوں۔

میں اس زحمت کشی کے لیے حد درجہ مشکور رہوں گا۔ امید کہ آپ کا مزاج ہر طرح بخیر ہوگا اور اس خط کے جواب سے مثل خطوط سابق محروم نہ کیا جاؤں گا۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

(۳۱)*

۱۰۵ اغوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ

۵ دسمبر ۶۴ء

مجی۔ تسلیم

اس کے قبل ایک تفصیلی لفافہ بذریعہ ہوائی ڈاک روانہ کر چکا ہوں۔ یقین ہے کہ وہ مل گیا ہوگا اور آپ اس کی طرف توجہ فرما رہے ہوں گے۔

یہ کارڈ اس لیے لکھ رہا ہوں کہ آپ کو یاد دلا دوں کہ کئی سال سے میں آپ ہی کی مرسلہ ڈائری استعمال کر رہا ہوں۔ اس لیے سال نو کی ڈائری میرے نام کی ضرور بھیجیے گا۔ اس طرح نقوش کی یاد ہر روز تازہ رہتی ہے۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

علی عباس حسینی

(۳۲)

۱۰۵ اغوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ

۱۵ دسمبر ۶۴ء

مجی طفیل صاحب۔ تسلیم

اس کے قبل ایک تفصیلی عریضہ اپنی کتاب *ناول کی تاریخ و تنقید* کے سلسلے میں لکھ چکا ہوں۔ آپ کے شہر کی لاہور اکادمی نے اس کا پاکستانی ایڈیشن بغیر میری اطلاع اور اجازت کے چھاپ لیا ہے۔ میں نے ان کی دوستانہ فہمائش کے لیے آپ کو بھی لکھا تھا اور کراچی میں جوش ملیح

آبادی، راجہ صاحب محمود آباد اور دوسرے احباب واعزّہ کو بھی لکھا ہے۔

لگے ہاتھوں میں اس پر نظر ثانی بھی کر ڈالنا چاہتا ہوں۔ یہ کتاب ۱۹۴۴ء میں لکھی گئی تھی جب انگریزی حکومت تھی اور ہندوستان کی کسی یونیورسٹی میں اردو میں ریسرچ جیسی کوئی چیز ہی نہ تھی۔ اب حالیہ تحقیقوں کے پیش نظر اس میں جا بجا ترمیم کی ضرورت ہے۔ پھر ایک مستقل باب کا اضافہ بھی کر دینا چاہتا ہوں تاکہ اس بیس برسوں میں جو نئے ناول لکھے گئے ہیں یا جو نئے ناول نگار ابھرے ہیں ان کا بھی اس میں ذکر کر کے اسے ۶۴ء تک کے لیے جامع بنا دیا جائے۔

آپ سے مخصوص طور پر یہ استدعا ہے کہ آپ نے

۱۔ اپنے مکتبہ سے جو جدید ناول شائع کیے ہیں انھیں ارسال فرما دیں گے۔

۲۔ ان کے مصنفوں کے پتے سے بھی مجھے مطلع فرمائیں گے تاکہ میں ان سے براہ راست خط کتابت کر کے ان کے سوانح کے متعلق اطلاعات حاصل کر لوں۔

۳۔ اپنے احباب مصنفوں اور پبلشروں سے یہ سفارش فرما دیں گے کہ وہ اپنی اپنی مطبوعات ارسال فرما دیں گے۔

آپ کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ میں نے اب کے ستمبر میں اپنی افسانہ نگاری کے چالیس سال پورے کر لیے ہیں۔ یہاں کے دو قدر دان رسالوں نے اس سلسلے میں اسپیشل نمبر نکالنا طے کیا ہے۔ کتاب لکھنؤ[۱۰۳] نے تو اس ماہ میں نکال بھی ڈالا۔ صبح نو پٹنہ جنوری میں اس طرح کا ''علی عباس حسینی'' نمبر نکال رہا ہے اور اس نے اس کے لیے خاصا اہتمام بھی کیا ہے۔ پاک و ہند کے تقریباً چالیس ناقدوں نے ذرہ نوازی سے کام لے کر مجھ گمنام پر مضامین لکھے ہیں۔

میں اس اسپیشل نمبر کے لیے مختلف طرح کی چیزیں لکھنے میں ادھر مصروف رہا اور جو نئی نئی کہانیاں لکھیں وہ بھی انہیں ظالموں نے ہتھیا لیں۔ فی الحال تو خزانہ دماغ خالی ہے۔ انشاء اللہ کوئی نئی آمد ہو تو نقوش کے لیے ضرور بھیجوں گا۔ ہاں بھائی ایک بات اور یاد آئی۔ وفا ملک پوری صاحب نے اطلاع دی ہے کہ ''عظیم بہ زبان کلیم'' پر ڈاکٹر محمد حسنین صاحب[۱۰۴] نے ایک طویل مقالہ لکھا ہے جس میں میرے منقولات کو اپنی طرف سے گڑھا ہوا بتایا ہے اور مجھ پر کذب و تحریف کا الزام لگا دیا ہے۔ سوئے اتفاق کہ نقوش کا وہی نمبر میرے پاس سے کسی نے غائب کر دیا ہے۔ اس لیے اگر آپ نقوش کا وہ نمبر یا میرے مضمون سے متعلق تراشہ یا اصل مسودہ مجھے ارسال فرما

دیتے تو میں حد درجہ ممنون ہوتا۔ انھوں نے چالاکی یہ کی ہے کہ میں نے سب کچھ لکھا ہے اردو شاعری پر ایک نظر کے پہلے ایڈیشن سے اور انھوں نے مجھے جھٹلایا ہے اس کا دوسرا ایڈیشن سامنے رکھ کر جس میں سے کلیم الدین صاحب نے اکثر تیز و تند فقرے حذف کر دیے ہیں۔[۱۰۵]

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا اور جواب سے جلد سرفراز کیا جاؤں گا۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

(۳۳)*

۱۰۵ غوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ

۳۱ دسمبر ۶۴ء

سال نو مبارک!

مجی۔ تسلیم۔ آپ کے دونوں خطوط ملے۔ میں نے حسب ہدایت حضرت ابن انشاء[۱۰۶] کو براہ راست خط لکھا ہے۔ خدا کرے معاملات بہ مصالحت طے ہو جائیں!

آپ کے مکتبہ سے شائع شدہ ناولوں کا منتظر ہوں، نیز ان کرم فرماؤں کے ہاں سے بھی جن سے میری ضرورت کا ذکر کیا ہوگا۔ ممتاز مفتی کا ناول[۱۰۷] ملنا ضروری ہے اور شوکت صدیقی[۱۰۸] کا بھی۔ شوکت صاحب مجھ سے بھی واقف ہیں اگر آپ ان کے پتے سے مطلع فرمائیں تو میں انہیں براہ راست لکھ سکتا ہوں۔

کوشش کروں گا کہ پندرہ جنوری تک آپ کے لیے کوئی افسانہ ارسال کروں۔[۱۰۹] فی الحال تو ان خاص نمبروں نے اتنی چیزیں لکھوائی ہیں کہ دماغ پلپلا ہوگیا ہے۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

افسانوں کا ایک مجموعہ اب بھی بغرض طباعت کراچی میں میرے ایک عزیز کے پاس موجود ہے۔ اگر آپ طباعت کا کام شروع کرتے ڈرتے ہوں اور میرے مجموعے کی اشاعت بار خاطر نہ ہو تو میں اسے لکھ دوں کہ وہ آپ کے پاس بھیج دے۔ مطلع فرمائیے۔

مخلص

علی عباس حسینی

[P.S] ہاں صاحب۔نئی ڈائری اور نیا کیلنڈر بھجوایئے۔یہاں تو نقوش ہی کی ڈائری پر اہم کاموں کا اندراج ہوتا ہے۔

(۳۴)

۱۰۵ غوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ

یکم فروری ۶۵ء

عید مبارک!

مجی طفیل صاحب۔تسلیم

لیجیے حضرت کہانی حاضر ہے۔جنوری ہی میں لکھی گئی مگر صاف کرنے والے عزیز روزہ دار تھے۔انہوں نے دیر لگادی۔بہر حال خوشی ہے کہ بہ دیر سہی آپ کی فرمایش پوری ہوگئی۔

سردار محمود صاحب کا خط آیا تھا۔معاملات کے بہ سہولت طے ہو جانے کے آثار ہیں۔

آپ کا مرسلہ صرف ایک ناول آیا۔شکریہ۔مگر دوسرے اچھے ناول بھی بھیجیے اور اپنے احباب کو بھی اس طرف متوجہ فرمایئے۔

ممتاز مفتی صاحب کے پتے سے بھی مطلع کیجیے۔میں خود انھیں لکھوں۔ان کا لحیم وضخیم ناول بھی ملنا چاہیے۔

مشرقی پاکستان کے ناشروں کے نام سے مطلع فرمایئے تاکہ میں انھیں بھی لکھ سکوں۔

چاہتا ہوں کہ کتاب[۱۱۰] کے نئے باب میں جتنے اچھے لکھنے والے اور تصانیف گذشتہ بیس سال میں وجود میں آئے ان سب کا ذکر آجائے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

(۳۵)

۱۰۵ غوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ

۲ جون ۶۵ء

مجی طفیل صاحب۔ تسلیم

نقوش کا تازہ ترین شمارہ ملا۔[۱۱۱] آپ کا عام شمارہ بھی دوسروں کے خاص نمبروں سے ظاہر و باطن دونوں حیثیتوں سے برتر و بہتر ہوتا ہے۔

ماشاءاللہ!

عرض ضروری یہ ہے کہ میرے چھوٹے بھائی حیدر مہدی سلمہٗ کو کچھ روپوں کی سخت ضرورت ہے۔اس لیے انہیں فوراً ایک چک ارسال فرمادیجیے۔رقم معاوضہ غالباً اب کئی سو تک پہنچ گئی ہوگی۔

دومضامین کلیم الدین احمد اور ان کے اشعار سے متعلق (جن میں سے ایک ۶۲ مضمون کا تھا) اور تازہ ترین[۱۱۲] افسانہ شامل کر کے تین افسانے۔

غرض یہ رقم کسی طرح ساڑھے تین سو سے کم نہیں ہوتی۔یہ رقم حسب ذیل پتے پر ارسال فرما کر مجھے متشکر فرمایئے۔

S. Hyder Mehdi Husaini, Star Particle Board, Adamiji Court
Dacca, (E. Pakistan)

حیدر مہدی سلمہ کو سخت ضرورت ہے اس لیے اس رقم کے ارسال میں آپ جس قدر جلدی فرمائیں گے میں اس قدر متشکر ہوں گا۔

امید کہ صبح نو کا علی عباس نمبر آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔

اگر نقوش سے اس کا تبادلہ نہ ہو تو اس کے اڈیٹر وفا ملک پوری کو حسب ذیل پتے سے ایک کارڈ لکھ دیجیے وہ فوراً خاص نمبر بھیج دیں گے۔

جناب وفا ملک پوری، اڈیٹر صبح نو

پوسٹ بکس نمبر ۴۲، پٹنہ ۴ (بہار۔ہندوستان)

امید کہ آپ کا مزاج ہر طرح بخیر ہوگا۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

مکرر آنکہ اردو اکادمی سندھ کراچی نے میرے سنجیدہ افسانوں کا ایک مجموعہ کانٹوں میں پھول[۱۱۳] کے نام سے شائع کیا ہے۔

امید کہ آپ اس پر ضرور ریویو فرمائیں گے[۱۴] اور اپنے احباب ناشرین سے ان ناولوں کے بھجوانے کی ضرور کوشش کریں گے جو آپ کے نزدیک اردو ادب میں مستقل اضافہ ہیں۔ میں متشکر ہوں گا۔

حسینی

(۳۶)

۱۰۵ اغوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ

۶ جولائی ۶۵ء

مکرمی۔ تسلیم

حیدر مہدی سلمۂ کو رقم ارسال کرنے کی اطلاع ملی۔ جستہ جستہ ہی سہی! ہر کہ از دوست می رسد نیکو است![۱۵]

ایک کہانی[۱۶] ارسال ہے۔ عجب نہیں کہ آپ کو اور نقوش کے ناظرین کو پسند آئے۔

امید کہ مزاج ہر طرح بخیر ہوگا۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

(۳۷)*

۱۰۵ اغوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ۔ ۲۸ فروری ۶۶ء

برادرم۔ تسلیم

یاد آوری کا شکریہ۔ یہاں بھی آپ کے سب جاننے والے بخیر و عافیت ہیں۔ ادھر نقوش کئی مہینے سے دیکھنے کو نہیں ملا۔[۱۷] اگر کوئی اشاعت نکلی ہو تو اسے ضرور بھیجیے۔

نقوش ہی کی ڈائری میں کئی سال سے استعمال کر رہا ہوں۔ اجازت مل جانے پر اس کا بھی ایک نسخہ ارسال فرمائیے گا۔ متشکر ہوں گا۔

دیگر پرسان حال کی خدمت میں تسلیم۔

مخلص

علی عباس حسینی

(۳۸)

۱۰۵ اغوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ

۲۵ مارچ ۶۶ء

محبی۔ تسلیم

نقوش کے دونوں نمبر مجھے ۲ مارچ کو مل چکے تھے اور مجھے یقین تھا کہ میں نے ان کی رسید کا خط آپ کو بھیج دیا ہے مگر آج پھر وہی دونوں نمبر رجسٹری سے ملے۔ اس لیے اس یقین میں شک کی گنجایش اور آپ کو پھر ایک بار شکریہ کا خط لکھنے اور دریافت خیریت کا بہانہ ہاتھ آ گیا۔

جوش پر آپ کا مضمون[۱۸] پڑھا اور بہت خوش ہو کر پڑھا۔ آپ نے ان کی شخصیت مکمل طور پر بڑی کامیابی سے پیش کر دی ہے۔

جوش کے ہندوستان چھوڑنے[۱۹] اور پاکستان چلے جانے کی غلطی کو آپ نے جن الفاظ میں بیان کیا ہے وہ قابل داد ہے۔ ''ان کے اور دوستوں کی طرح مجھے بھی تکلیف ہوئی'' کا فقرہ لکھ کر آپ نے اس سچے اخلاص کا ثبوت دیا ہے جو آپ کو جوش سے ہے اور اس صداقت قول کا بھی جس کے کہہ ڈالنے میں آپ اس کی تلخی کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔

خدا کرے آپ بخیر ہوں۔ ڈائری کا انتظار ہے۔ میں سرعت سے بوڑھا ہوتا جا رہا ہوں۔ اس لیے کہ اب اس کا احساس ہونے لگا ہے۔

"A man is as old as he feels and a woman is as old as she looks."

اور یہاں قدرے پوپلے ریش سفید والے چہرے نے غازہ اور لپ اسٹک کے لیے میدان تنگ کر رکھا ہے! اس لیے یہ بوڑھا بالا تو بن سکتا ہے مگر ''نگار رعنا'' نہیں۔

بہر حال اسی بوڑھاپے کا نسخہ سمجھ لیجیے کہ پورے ۱۹۶۵ء میں صرف ایک چھوٹی سی کہانی آخر دسمبر میں لکھی اور وہ بھی اس لیے دل پر صبر کر کے لکھی کہ پورا سال خالی نہ جائے۔[۲۰]

آپ کا قلم تو شہادت دیتا ہے کہ آپ ابھی تک جوان ہیں۔ خدا نظر سے بچائے!

اپنی خیریت سے مطلع کیجیے۔

مخلص

علی عباس حسینی

مکرر آنکہ

میں آپ کے ''طلوع'' والے نوٹ سے متفق نہیں۔ کشمیر میں گھس کر ابتدا جارحانہ حملہ کی پاکستان نے کی۔ ہندوستان [نے] نہیں[۱۲۱] اور میں حضرت مذہب کی بنا پر کسی ملک کا بٹوارہ انسانیت کا خون کرنے کے برابر سمجھتا ہوں۔

(۳۹)*

۱۰۵اغوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ۔

۴ اپریل ۶۶ء

عزیزم طفیل صاحب۔ سلام مسنون

گرامی نامہ ملا۔ پورے ۶۵ء میں، میں نے صرف ایک چھوٹی سی کہانی لکھی ہے جو ''شمع'' یا ''بانو'' [۱۲۲] دلی میں شائع ہوگی۔ ۶۶ء میں البتہ ایک لمبی کہانی فلمی ڈھنگ کی امیر خسرو [۱۲۳] پر لکھی ہے۔ سالنامے کے لیے اسی کے دو تین سین جن سے امیر خسرو کی گھریلو زندگی پر روشنی پڑتی ہے نقل کر رہا ہوں۔[۱۲۴] انشاء اللہ دو تین دن میں وہ ارسال خدمت کردوں گا۔

ہاں بھائی خوب یاد آیا۔ اس سلسلے میں مجھے ایک کتاب کے مطالعہ کا سخت اشتیاق ہے۔ اس کا ایک نسخہ حاصل کر کے مجھے فوراً بھیج دیجیے۔

وہ ہے حیات امیر خسرو مصنفہ تقی محمد خان کشمیری بازار کتاب منزل۔ لاہور [۱۲۵]

حد درجہ متشکر ہوں گا۔

امید کہ آپ کا مزاج ہمہ وجوہ بخیر ہوگا۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

مکرر آنکہ ڈائری کا بھی منتظر ہوں۔

(۴۰)*

۱۰۵اغوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ۔

۱۰ اپریل ۶۶ء

مکرمی۔ تسلیم

رات آپ کا تار افسانے کے تقاضے کے سلسلے میں ملا۔

میں آج سے ایک ہفتہ قبل سالنامے کے لیے ''امیر خسرو'' کی کہانی کے تین سین بھیج چکا ہوں یقین ہے کہ وہ مل گیا ہوگا یا دو ایک دن میں ضرور مل جائے گا۔

میں نے بھی آپ سے جو امیر خسرو پر کتاب بھیجنے کی فرمایش کی ہے اس کی، نیز نقوش ڈائری کے پارسل کا بے چینی سے منتظر ہوں۔

سالنامے کی کامیابی کے لیے میری دلی دعائیں۔

امید کہ آپ کا مزاج ہر طرح بخیر ہوگا۔

مخلص

علی عباس حسینی

(۴۱)*

۱۰۵اغوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ۔

۱۷ اپریل ۶۶ء

مکرمی۔ تسلیم

آپ کا مکرمت نامہ ملا۔ امیر خسرو کی پوری کہانی میں ۵۷ سین ہیں اور ان میں سے اکثر مرسلہ سینوں سے لمبے اور بڑے ہیں۔ یہ مکمل چیز کتابی صورت میں ہندوستان اور پاکستان میں شائع [۱۲۶] کرنے کا ارادہ ہے۔ فی الحال آپ کے خاص نمبر کے لیے مزید چار سین نقل کر رہا ہوں۔ کل پرسوں تک روانہ کر دوں گا۔

امیر خسرو پر جو کتاب میں نے آپ سے طلب کی تھی اس کا منتظر ہوں۔ افسوس ہوا کہ اس سال آپ نے ڈائری نہیں چھاپی۔ اس میں انگریزی مہینوں کے ساتھ عربی مہینوں کی تاریخیں جو دی جاتی تھیں اس سے بہت سی باتوں میں میری سہولت ہوتی تھی۔ اپنی تاریخیں پوچھنے کسی ''ملا'' کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خیر سال آیندہ سے ہی۔

یار زندہ صحبت باقی!

امید کہ آپ ہر طرح بخیر ہوں گے۔ یہاں تو بھائی بوڑھے ہو گئے اور اس بڑھاپے کو محسوس بھی کرنے لگے!

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

(۴۲)*

۱۰۵ اغوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ

۲۱ مئی ۶۶ء

مکرمی۔ تسلیم

امیر خسرو پر کچھ اور سین لکھ کر میں نے آپ کے خاص نمبر ۱۲۷ کے لیے بھیج دیے تھے۔ نہ جانے پہنچے یا نہیں۔ اب تک کوئی رسید نہیں آئی۔

عنایت کر کے عبداللہ یوسف علی مرحوم کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہوا کلام پاک کا ایک نسخہ (جیسا کہ مجھے آج سے تقریباً چار سال پہلے آپ بھیج چکے تھے) میرے منجلے بیٹے ۱۲۸ کو حسب ذیل پتے سے امریکہ ارسال کر دیجیے۔ میں متشکر ہوں گا اور آپ کے لیے بھی باعث ثواب ہوگا۔ غالباً اس کی تلاوت سے اس کا ایمان باقی رہ سکے۔ پتا یہ ہے۔

Baqar Abbas Husaini, 489 Prentis.

Detroir-1 (Mich) U.S.A

مفتی رضا انصاری صاحب مجھ سے نقوش کا پرچہ لینے تشریف لائے تھے۔ میرے پاس زاید نمبر وہی تھا جس میں میرا افسانہ تھا، ۱۲۹ وہ میں نے ان کی خدمت میں حاضر کر دیا۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا اور نقوش کا خاص نمبر جلد ہی دیدہ افروزی کا باعث ہوگا۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

(۴۳)*

۱۰۵ اغوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ۔

۹ جولائی ۶۶ء

مکرمی۔ تسلیم۔ نقوش کے سالنامے کے دونوں شمارے ملے کیا کہنا ہے۔ آپ کی محنت کا۔ ظاہر باطن دونوں کی زیبایش اور گراں مایگی کی جس قدر بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔

میں نے ابھی صرف منٹو ۱۳۰ اور قرۃ العین حیدر ۱۳۱ کی کہانیاں ۱۳۲ پڑھیں۔ آخر الذکر بہت پسند آئی۔ یلدرم کی یہ بیٹی اگر ''پدر نتواند'' ۱۳۳ کا مصداق بن رہی ہے خدا کرے وہ بمبئی میں رہنے کے باعث سستی شہرت کا شکار نہ ہو جائے!

آپ کے معین نے میرے ساتھ ایک ستم ظریفی کی ہے۔ شائع ہوئے ہیں ''امیر خسرو'' کے نو سین اور میرے نوٹ میں صرف تین ہی سین کی اطلاع درج ہے۔ بہر حال سمجھدار ناظرین میری جگہ ادارت پر ہی ہنسیں گے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

(۴۴)

۱۰۵ اغوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ

۲۸ اگست ۶۶ء

محبی طفیل صاحب۔ تسلیم

حیدر مہدی سلمہ کا شکایتی خط آیا ہے کہ آپ نے ان کی رقم میں سے صرف ایک سو بھیجے۔ بقیہ رقم جو امیر خسرو کی برکت سے اب دو سو ہو گئی ان کو جلد سے جلد بھیج دیجیے۔ آپ کے اس بھائی کو سخت ضرورت ہے۔ ہم بھارت کے رہنے والے اتنے افراد پاکستان کی خدمت سے محروم ہیں۔ اب تو یہ آپ ہی حضرات کا فریضہ ہے۔ ان کا پتا حسب ذیل ہے۔

S. Hyder Mehdi, Star Particles Board Mill,Adamiji Court, Dacca

سالنامہ واقعی آپ نے خوب نکالا۔ قرۃ العین حیدر کے افسانے کے علاوہ راجندر سنگھ بیدی ۱۳۴ کا افسانہ ایک ''سگریٹ'' ۱۳۵، ایک ایسا شاہکار ہے جس پر وہ ''ایک میلی سی چادر'' ۱۳۶ سے زیادہ فخر کریں تو بے جا نہ ہوگا۔ موضوع کے لحاظ سے، فن کے لحاظ سے، طرز ادا کے لحاظ سے، غرض ہر نہج سے وہ مکمل ہے۔ میری طرف سے ان کو مبارکباد پیش کر دیجیے گا۔

اور بھی سب کہانیاں معیاری ہیں۔ آپ اتنے فنکاروں کو اتنے کامیاب طور پر یکجا کر لینے پر مستحق صد مدح و ثنا ہیں۔

میں نے بڑھاپے کے ساتھ ساتھ مختلف طرح کے روگ پال رکھے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ ستم یہ مرض ہے کہ دو چار سطریں بھی کسی تخلیقی کام کے سلسلے میں لکھتا ہوں تو دماغ جواب دے دیتا ہے۔ پھر مہینوں قلم اٹھانے کو جی نہیں چاہتا۔

پس اسی سے سمجھ لیجیے کہ تین مہینے سے ایک قدرے شوخ کہانی[۱۳۷] لکھ ڈالی تھی، مسودہ پنسل سے لکھا کٹا پٹا پڑا ہے۔ آٹھ دن سے کوشش کر رہا ہوں کہ اسے صاف کر کے آپ کو بھیج دوں مگر صرف آٹھ سطریں اب تک لکھ پایا ہوں۔

کوشش کروں گا کہ ہفتہ عشرہ میں اسے تمام کر کے آپ کے پاس بھیج دوں۔

حیدر مہدی سلمہٗ کے معاملے کی طرف جلد سے جلد توجہ فرمایئے۔ میں متشکر ہوں گا۔

امید کہ مزاج گرامی ہر طرح بخیر ہوگا۔

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

*(۴۵)

۱۰۵ اغوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ۔

۲۴ جنوری ۶۷ء

محبی۔ تسلیم

مرسلہ خاص نمبر بھی ملا اور آج ڈائری بھی۔ حد درجہ شکریہ۔ مرسلہ خاص نمبر کی جلد بندی میں آپ کے دفتری نے ایسی تبدیلیاں کر دیں کہ پورا نمبر میرے لیے بے مزہ ہو گیا۔ صفحہ ۳۱۲ سے کوئی ڈیڑھ سو صفحات غائب ہیں۔ پھر جو صفحات لگائے گئے ہیں وہی دوبارہ لگا دیے گئے۔ کرامت کا جو نتیجہ ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ سب سے زیادہ افسوس اس کا ہوا کہ حکیم احمد شجاع صاحب[۱۳۸] کا ڈراما[۱۳۹] نا تمام و نامکمل ملا۔ میں حکیم صاحب کی ہر تحریر بہت دلچسپی سے پڑھتا ہوں۔ ان کے مطالعے سے علم میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور فنکاری و ہنرمندی کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ غرض اگر آپ کے پاس کوئی غیر ناقص نسخہ اس خاص نمبر کا رہ گیا ہو تو اسے فوراً ارسال فرمایئے۔ خالد صاحب کا قصیدہ[۱۴۰] بھی دیکھا۔ اس کے بعض ٹکڑے ثقالت الفاظ کی وجہ سے سمجھ میں نہ آئے۔ اگر یہ عربی کے غریب الفاظ، عبرانی و سریانی وغیرہ وغیرہ کے غیر مانوس الفاظ استعمال کرنے پر اس قدر اصرار نہ کریں تو ان کا شمار اردو کے عظیم ترین شعرا میں یقینی ہو سکے گا۔

ان میں ایک عظیم فنکار کی ساری صلاحیتیں موجود ہیں۔ مطالعہ یقینی وسیع ہے، نظر میں گہرائی ہے اور تخیل سے مرصع کاری کا کام لینے کا سلیقہ ہے۔ یونان و روم، فلسطین، مصر، ہندوستان و چین غرض مختلف ممالک و مذاہب و اقوام کی تلمیحات کا اس فراوانی سے اردو میں استعمال ان کی خاص دین ہے۔ خدا ان کو طول عمر کے ساتھ ترک ثقالت پر مائل کر دے!

میں اچھا نہیں ہوں۔ اب میرا بھی اہل دل میں شمار ہے۔ خدا کرے آپ ہر طرح اچھے ہوں۔

علی عباس حسینی

مکرر آنکہ آپ نے حیدر مہدی صاحب کی ڈھاکا کی گزارشات کی طرف توجہ کی یا نہیں۔ مطلع کیجیے۔

*(۴۶)

۱۰۵ اغوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ۔

۳ مارچ ۶۷ء

محبی۔ تسلیم

نقوش کے سالنامے کی دوسری جلد مل گئی۔ اب کے اس کی ساری خوبیوں کے ساتھ جلد بند نے ترتیب صفحات کا بھی خیال رکھا ہے۔ بہت بہت شکریہ۔ سید حیدر مہدی سلمہٗ، اسٹار پارٹیکلس بورڈ ملز آدمی جی کورٹ، ڈھاکا کا فریادی خط آیا ہے کہ آپ نے ان کی طرف اب بھی توجہ نہیں فرمائی۔ مجھے سخت تعجب ہے۔ آپ جیسے کرم فرما سے ایسی امید نہ تھی۔ یقین ہے کہ اس کارڈ کے ملتے ہی آپ ان کی شکایت فوراً ارفع فرما دیں گے۔

میں اب باقاعدہ قلبی بیماری[۱۴۱] کا شکار ہو گیا ہوں۔ آج کل سختی سے گھی وغیرہ سے پرہیز کر رہا ہوں اور سفولا میں پکا ہوا کھانا زہر مار کر رہا ہوں۔

پلنگ پر لیٹے رہنے کا حکم ہے اور ہر تین گھنٹے پر دوا پلایا جاتا ہوں۔ ایسے میں آپ جیسے دیرینہ کرم فرماؤں سے کسی کی شکایت سن کر دل کو صدمہ پہنچتا ہے۔ اس سے بچانا آپ کا فرض ہے۔

ندیم قاسمی صاحب پر یقینی میں لکھنا چاہتا ہوں مگر ایسی حالت میں کیونکر لکھوں، نہ دماغ قابو میں نہ دل قابو میں ۔ زندہ رہا تو پھر کبھی ۔

امید کہ آپ ہر طرح بخیریت ہوں گے ۔

مخلص

علی عباس حسینی

(۴۷)*

۱۰۵ اغوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ۔

۲۲ جنوری ۶۸ء

بھائی طفیل صاحب ۔ تسلیم

جنوری کا تیسرا ہفتہ ہے ۔ کیا اب کے ڈائری سے محروم رکھا جاؤں گا؟ رواسم دیرینہ اور روایت قدیم کے تو یہ سراسر خلاف ہے ۔ امید کہ آپ بخیریت ہوں گے ۔ میرا کیا؟ اب آپ کو زیادہ دنوں اس طرح کی فرمائش کر کے پریشان نہ کرسکوں گا ۔ والسلام

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

(۴۸)

۱۰۵ اغوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ۔

۱۳ جون ۶۸ء

محبی طفیل صاحب ۔ تسلیم

تازہ خطوط نمبر ملا ۔[۱۴۳] آپ کی محنت، حسن ادارت، خدمت ادب کی لگن اور ہر نمبر کو بہتر سے بہتر بنانے کے حوصلے اور ہمت کی داد دینے کے لیے الفاظ نہیں ملتے ۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نقوش کے ہر خصوصی نمبر میں اردو ادب کے محققین کے لیے نہ جانے کیسے کیسے نوادر جمع کرتے جارہے ہیں اور آپ کا نقوش صدیوں طلبا اردو کے لیے روشنی کے ایک مینارہ کا کام دے گا ۔ خدا وند عالم آپ کو زندہ وسلامت رکھے ۔ آپ نے اردو رسالے کے معیار کو اتنا بلند کر دیا ہے کہ ہم نقوش کو بہ فخر عالمی ادب کے کسی بڑے سے بڑے رسالے کے مقابلے میں پیش کرسکتے ہیں!

بنیاد جلد دوم شمارہ:۱، ۲۰۱۱ء

میں ادھر اپنے علاج کے سلسلے میں دلی چلا گیا تھا ۔ وہاں بھی لکھنؤ کے ماہرین کی تشخیص اور علاج سے اتفاق کیا گیا ۔ غرض اب صرف گوشہ نشینی کی زندگی ہے ۔ آپ کے افسانہ نمبر[۱۴۲] کے لیے اگر کوئی نئی چیز لکھ سکا تو ضرور بھیجوں گا مگر سچ جانیے میں اب چھوٹی ہوئی آتش بازی کے مثل ہوں ۔ قویٰ مضمحل ہوگئے ہیں ۔ بجھنے کا نشان نہیں ملتا ۔ کوئی پلاٹ بھی ذہن میں آتا ہے تو چند جملے لکھ کر تھک جاتا ہوں ۔ بس دن بھر انگریزی کے جاسوسی یا ویسٹرن ناول پڑھ کر دل بہلاتا رہتا ہوں ۔

[۱۴۴]

البتہ کبھی کبھی یہ خیال ضرور ہوتا ہے کہ اس گرتے ہوئے مکان سے جو کچھ کھینچ کر باہر نکال سکو اسے جلدی جلدی کسی فنکاری کے بغیر گھسیٹ کر باہر پھینک دو ۔ چنانچہ ایسی ہی ایک چیز تازہ ترین تصنیف/میر خسرو ہے ۔ غالباً اس کی ایک کاپی پبلشرز نے آپ کے پاس بھیجی ہوگی ۔ مقصد یہ تھا کہ اس محبوب ہمہ کمال شخصیت کو اپنے عوام کو پھر سے یاد دلا دوں ۔ اس میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں ۔ اس کا فیصلہ صاحبانِ نظر فرمائیں گے ۔ اپنی رائے سے مجھے مطلع کیجیے گا ۔

ایک بہت ہی ضروری کام یہ ہے کہ مجھے میرے مجموعے میلہ گھومنی کا ایک نسخہ خرید کر فوراً بھیج دیجیے ۔ میرے پاس کوئی اس کا نسخہ ہے اور نہ یہاں کی یونیورسٹی لائبریری میں ۔ اس مجموعے کا ایک افسانہ ایک ایسے مجموعے کے لیے چنا گیا ہے جو امریکہ کی ایک یونیورسٹی[۱۴۵] اردو کے ممتاز ترین افسانہ نگاروں کی کہانیوں کا انگریزی میں شائع کرنا چاہتی ہے ۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ[۱۴۶] کے زیر نگرانی یہ کام ہو رہا ہے ۔ انگریزی ترجمہ جو میرے بیٹے مہدی عباس حسینی[۱۴۷] نے کیا تھا وہ ان کے پاس ہے مگر وہ اصل ہی دیکھنا چاہتے ہیں ۔ اس لیے مجھ پر کرم خاص کر کے میلہ گھومنی کی ایک جلد حاصل کر کے مجھے فوراً بھیج دیجیے ۔ اسے چودھری برکت علی[۱۴۸] نے شائع کیا تھا ۔ میں حد درجہ متشکر وممنون ہوں گا اور آپ کو بہت بہت سی دعائیں دوں گا ۔

مخلص

علی عباس حسینی

(۴۹)

۱۰۵ اغوث گنج، وزیر گنج لکھنؤ

یکم اگست ۶۸ء

لیجیے طفیل صاحب، افسانہ حاضر ہے۔

آپ کو کیا، جھٹ تقاضے پر تقاضے قلم کے مزدوروں کو لکھ مارے اور اونچی ہستیوں کی طرح اس سے بے پرواہ کہ ان پر تعمیل حکم میں کیا گزری۔ مغربی حساب لگائیے تو بہتر کا، ورنہ اپنے ہجری حساب سے پچھتر برس کا بوڑھا ہوں، پھر اس پر دل کا مریض، نہ دماغ کام دیتا ہے، نہ اب کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے۔ نہ اب نام کی خواہش، نہ نمود کی پروا، زمانہ ہم کو ہماری زندگی میں ہی بھول گیا ہے اور ہم بھی خود اپنے کو اور اپنے کاموں کو۔

بس اب آیندہ اس طرح کے تقاضے نہ کیجیے گا۔ ڈاکٹروں کا حکم ہے جبراً کوئی کام نہ کرو اور یہ سراسر جبر ہے۔ دل کسی طرح اٹھتا نہیں مگر طفیل صاحب ہیں کہ مچلے ہوئے ہیں کہ ہم تو لکھوا ہی کے رہیں گے۔ اچھا میاں، تو لو، تم خود ہی بھگتو گے۔ ایک کرم خوردہ کو جب چھما چھم چمکتے ہوؤں کے ساتھ رکھو گے تو لوگ تمھاری ہی سلیقہ مندی کو ہنسیں گے۔ مجھے کیا، میں تو گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں۔ آج نہیں تو کل سہی! مجھے کوئی افسانہ نویسوں میں گنے تو کیا، نہ گنے تو کیا۔ زندگی میں میاں غالب شعرائے ہند میں کس گنتی شمار میں تھے؟ مگر اب لوگ ان کا نام لینے سے پہلے یا استاد! کہتے ہیں اور ان کے دیوان کو ہندوستان کی الہامی کتابوں ۹ا۱۴ میں شمار کرتے ہیں۔ پوچھو تمھاری اس پرستش سے غالب کی سڑی گلی ہڈیوں کو کیا نفع پہنچا۔ کون سا انعام ملا؟

تو بھائی طفیل ہم بھی ارذل عمر کو پہنچ چکے۔ بس، غالب ہمیں نہ چھیڑ! ۱۵۰ اوالسلام

بندۂ اخلاص

علی عباس حسینی

حواشی

۱۔ غازی پور علی عباس حسینی کی جائے پیدائش ہے۔ علی عباس حسینی کا خاندان غازی پور میں آباد تھا۔ محمد طفیل ان کے غازی پور کے پتے پر خطوط بھیج رہے تھے جبکہ وہ اس وقت وہاں مقیم نہیں تھے۔ اس لیے خط اور رسالہ نقوش انہیں وصول نہیں ہو رہے تھے۔ محمد طفیل کی زیر ادارت نقوش کا پہلا شمارہ نمبر ۲۰۔۱۹۔ اپریل، مئی ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا اور یہی شمارہ علی عباس حسینی نے وصول کیا چونکہ یہ خط نومبر ۱۹۵۱ء میں لکھا گیا اس لیے اس دوران میں کوئی اور شمارہ شائع نہیں ہوا۔ نقوش کا پہلا شمارہ احمد ندیم قاسمی اور ہاجرہ مسرور کی زیر ادارت ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا۔ اس دوران میں اس کی کفالت محمد طفیل ہی کر رہے تھے۔ اس کے دس شمارے نکلے ہی

تھے کہ نقوش بند ہو گیا۔ اس کی وجہ محمد طفیل نے یہ لکھی ہے کہ ''نقوش اپنی ادبی ڈگر سے ہٹ کر سیاست کا موڑ مڑ گیا۔'' اس کے بعد ۱۹۵۰ء میں ایک سال کے لیے یہ سید وقار عظیم کی ادارت میں سامنے آیا۔ یکم مئی ۱۹۵۱ء کو محمد طفیل نے نقوش کی ادارت سنبھالی۔ یہاں اسی حوالے سے ذکر ہے۔

۲۔ یہاں جس ناولٹ کا ذکر ہے وہ نقوش ۲۲۔۲۱ مئی ۱۹۵۲ء میں ''شاید کہ بہار آئی'' کے عنوان سے صفحہ ۵۲۔۴۸ پر شائع ہوا۔

۳۔ یہ مصرع حافظ کے شعر کا ہے، مکمل شعر یوں ہے:

ماقصہ سکندر و دارا نخواندہ ایم

از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس!

(حافظ، دیوانِ حافظ، باہتمام سید محمد رضا جلالی نائینی (تہران: مؤسسہ انتشارات امیر کبیر، ۶۲ ۱۳ش)، ۳۵۳۔)

ترجمہ: ہم نے سکندر اور دارا کا قصہ نہیں پڑھا۔ ہم سے محبت اور وفا کی کہانی کے سوا اور کچھ نہ پوچھ۔

۴۔ علی عباس حسینی ریڈیو کے لیے بھی لکھتے تھے۔ اس کی نشاندہی رام لعل کے مضمون ''علی بابا حسینی اور چالیس سر درد'' سے ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ علی عباس حسینی ریڈیو فیچر لکھتے تھے اور ریڈیو کی ملازمت کے لیے جدوجہد بھی کی تھی۔ (رام لعل، ''علی بابا حسینی اور چالیس سر درد،'' صبح نو علی عباس حسینی نمبر ۱۲۔۳، ۲، ۱ (جنوری، فروری، مارچ ۱۹۶۵ء)۔)

۵۔ ماہنامہ آجکل ۲۵ نومبر ۱۹۴۲ء سے نکلنا شروع ہوا۔ ۴ مئی ۱۹۴۳ء تک کے پرچے پر مدیر کا نام درج نہیں ہے لیکن اداریہ اور ۴ مارچ ۱۹۴۳ء کے شمارے میں شائع ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آج کل کے مدیر مولانا عبدالقادر خان تھے۔ یہ بات کہیں اور درج نہیں ہے صرف اداریہ کے اختتام پر مولانا کا نام ہے اور خط میں بحیثیت مدیر مولانا کو خطاب کیا گیا ہے۔ بہر حال حقیقت کچھ بھی ہو اتنی بات واضح ہے کہ مولانا باضابطہ مدیر رہے ہوں یا نہ رہے ہوں لیکن اردو ایڈیشن کی تمام ذمہ داری مولانا ہی کے سر تھی اور ۴ مئی ۱۹۴۳ء تک آپ کی نگرانی میں یہ نکلتا رہا۔ اگست ۱۹۴۸ء سے جوش ملیح آبادی کی قیادت میں آجکل کے نئے دور کا آغاز ہوا تھا۔ اس دوران میں وہی مدیر تھے۔ (جمیل اختر، مرتبہ، اشاریۂ آج کل، جلد اول (دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۸۸ء)۔)

۶۔ آجکل میں ''آتش خاموش'' کے عنوان سے علی عباس حسینی کا افسانہ، شعر و شاعری نمبر ۷۔۱۸ اگست ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا۔

۷۔ یہ کہانی ''مکڑی کا جال'' کے عنوان سے نقوش ۳۸۔۳۷ جنوری ۱۹۵۴ء میں صفحہ ۵۹۔۵۵ پر شائع ہوئی۔

۸۔ حاجی بغلول سجاد حسین کا ناول ہے۔ حاجی بغلول اس ناول کا مزاحیہ کردار ہے جس کی وجہ سے یہ مقبول ہوا۔ اس کا پہلا پاکستانی ایڈیشن ۱۹۶۱ء میں مشتاق بک ڈپو کراچی سے جمیل جالبی نے مرتب کر کے شائع کیا۔

۹۔ یہاں جس افسانے کا ذکر ہے وہ ''حکیم بانا'' کے عنوان سے نقوش ۴۰۔۳۹ مارچ ۱۹۵۴ء میں صفحہ ۱۰۲۔۸۹ پر شائع ہوا۔

۱۰۔ لڑکوں سے مراد علی عباس حسینی کے صاحبزادے ہیں جن میں سید مہدی عباس حسینی، باقر عباس حسینی اور اصغر عباس حسینی شامل ہیں۔

۱۱۔ یہاں نقوش ۳۸۔۳۷ افسانہ نمبر، جنوری ۱۹۵۴ء کا ذکر ہے جس کے آخر میں سمپوزیم کے تحت موضوع ''اردو افسانے میں روایت اور تجربے'' پر بحث ہوئی جس میں ''کسی صاحب'' نے نہیں بلکہ چند ادیبوں نے حصہ لیا۔ ان میں سید وقار عظیم، ڈاکٹر عبادت بریلوی، سعادت حسن منٹو، احمد ندیم قاسمی، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور، انتظار حسین، حمید اختر اور شوکت تھانوی شامل تھے اور مشترکہ طور پر علی عباس حسینی کی افسانہ نگاری کو بھی زیر بحث لایا گیا بالخصوص وقار عظیم، عبادت بریلوی، حمید اختر اور احمد ندیم قاسمی نے علی عباس حسینی کے حوالے سے تنقید کی ہے۔

۱۲۔ علی عباس حسینی کا یہ ناول شاید کہ بہار آئی اردو کتاب گھر کچہری روڈ کراچی سے شائع ہوا اس پر سال درج نہیں ہے۔

۱۳۔ یہ ناول حکیم باٹا ادارہ فروغ اردو لکھنؤ سے شائع ہوا۔اس پر سن درج نہیں ہے۔اس سے پہلے ان کا اسی نام سے ایک افسانہ نقوش میں شائع ہوا تھا اور یہ ناول اس افسانے کی توسیع معلوم ہوتی ہے۔

۱۴۔ حکیم باٹا مزاحیہ کردار ہے جس کو علی عباس حسینی دوسرے مشہور کرداروں کے پایے کا بتاتے ہیں،اسی ناول حکیم باٹا کے حوالے سے کشور بنیاد زیدی لکھتی ہیں ''ادھر انہوں نے ایک ناول پندرہ دن کے اندر لکھ کر ختم کیا ہے جس کے ہیرو کے کردار کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔انہوں نے یہ ناول مسلسل سترہ اٹھارہ گھنٹے تک یک لخت بیٹھ کر لکھا ہے''۔(کشور بنیاد زیدی، ''علی عباس حسینی،'' نقوش ۶۰۔۵۹ (شخصیات نمبر) (۱۲ اکتوبر ۱۹۵۶ء):۱۰۰۶۔)

۱۵۔ مسعود حسن رضوی ادیب، ولادت:۱۵ محرم الحرام ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۹ جولائی ۱۸۹۳ء، وفات:۲۹ نومبر ۱۹۷۵ء، اردو کے نامور ادیب، نقاد، محقق اور مدوّن تھے۔(طاہر تونسوی، مسعود حسن رضوی ادیب حیات اور کارنامے، طبع اول (لاہور: مجلس ترقی ادب، اپریل ۱۹۸۹ء۔)

۱۶۔ علی عباس حسینی نے مسعود حسن رضوی کے حوالے سے مضمون لکھنے کی خواہش اس لیے ظاہر کی کہ مسعود حسن رضوی ان کے بہترین دوستوں میں سے تھے۔سید مسعود حسن رضوی نے ''علی عباس حسینی اور میں'' میں اپنی دوستی کا ذکر یوں کیا ہے۔''علی عباس حسینی صاحب میرے بہت قدیم اور مخلص دوست ہیں۔۱۹۱۵ء میں میں نے کیننگ کالج لکھنؤ سے انٹرمیڈیٹ اور علی عباس حسینی صاحب نے غازی پور سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔اسی سال آل انڈیا شیعہ کانفرنس نے لکھنؤ میں ایک بورڈنگ ہاؤس قائم کیا۔میں پہلا طالب علم تھا جو اس بورڈنگ ہاؤس میں داخل ہوا۔چند روز کے بعد علی عباس حسینی صاحب کے عم محترم جناب اسحاق الحسینی صاحب مرحوم ان کو اپنے ساتھ لکھنؤ لائے۔تعلیم کے لیے کرسچن کالج میں اور قیام کے لیے اسی بورڈنگ ہاؤس میں ان کو داخل کر دیا۔علی عباس صاحب لکھنؤ میں نوارد تھے اور میں یہاں کئی سال پہلے سے مقیم تھا۔عمر میں بڑا معلوم ہوتا تھا اس لیے جناب اسحاق الحسینی صاحب نے ان کی نگہداشت میرے ذمے کر دی۔اس وقت سے ہم دونوں میں جو پرخلوص دوستانہ بلکہ برادرانہ تعلقات قائم ہوئے وہ اب تک قائم ہیں۔'' (مسعود حسن رضوی، سید، ''علی عباس حسینی اور میں،'' صبح نو (علی عباس حسینی نمبر):۶۵۔)

۱۷۔ یہاں سید صاحب سے مراد مسعود حسن رضوی ادیب ہیں۔

۱۸۔ ''میری لڑکی'' سے مراد کشور زیدی ہیں۔ان کے حوالے سے اسلم حیات درانی اپنے مقالے میں لکھتے ہیں ''کشور زیدی ایم اے ہیں۔اردو کی مشہور افسانہ نگار ہیں۔کشور بنیاد زیدی کے نام سے تخلیق کرتی رہیں۔اپنی کتابوں پر پانچ انعامات حاصل کر چکی ہیں۔آج کل گورکھپور میں آل انڈیا ریڈیو کی اسٹیشن ڈائریکٹر ہیں۔'' (محمد اسلم حیات درانی، ''علی عباس حسینی حیات اور فن'' (غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۱۹۸۳ء):۲۴۔

۱۹۔ کشور بنیاد زیدی نے ''علی عباس حسینی'' کے عنوان سے مضمون لکھا جو نقوش کے شخصیات نمبر ۲ میں شائع ہوا۔

۲۰۔ اعظم حسین، علی عباس حسینی کے بھانجے اور ادیب تھے۔علی عباس حسینی لکھتے ہیں۔''میرے بھانجے اعظم حسین اعظم مرحوم نے ۳۳۔۱۹۲۹ء میں ادب نکالا تھا۔'' (علی عباس حسینی، ''میری زندگی کے چند اوراق پریشان،'' صبح نو (علی عباس حسینی نمبر):۲۵۰۔)

۲۱۔ اعظم حسین، ''یگانہ چنگیزی،'' نقوش (شخصیات نمبر ۲):۸۷۰۔۸۶۶۔

۲۲۔ سید مسعود حسن رضوی کی تصویر نقوش کے شخصیات نمبر ۲ میں شائع ہوئی۔

۲۳۔ امرتسری دوست کے حوالے سے طفیل صاحب کے بیٹے جاوید طفیل صاحب نے بتایا کہ مختلف وقتوں میں مختلف لوگ ہوتے تھے جو نقوش حاصل کر لیتے تھے لیکن اس کے ہی پیسے ہم بھارت میں کسی دوسرے کو دلوا دیتے تھے۔یہاں اسی کا ذکر ہے۔

بنیاد جلد دوم شمارہ:۱، ۲۰۱۱ء

۲۴۔ علامہ تلہری سے مراد علامہ تلہری ہیں، اختر علی تلہری، ولادت: تلہر (ضلع شاہجہانپور) ۲۱ اپریل ۱۹۰۲ء۔ وفات: لکھنؤ (بلرام اسپتال) بدھ بوقت صبح ۲۱ اپریل ۱۹۷۱ء، (مالک رام، تذکرہ ماہ وسال (دہلی: مکتبہ جامعہ، س ن۔))۔اختر علی تلہری، علی عباس حسینی کے بہترین دوستوں میں سے تھے۔

۲۵۔ نقوش کا منٹو نمبر ۴۷۔۴۸، مئی ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا۔

۲۶۔ یہاں افسانوں کے مجموعے ''ہمارا گاؤں اور دوسرے افسانے'' کا ذکر ہے جو اورینٹل پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ سے ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔

۲۷۔ یہ افسانہ ''نور و نار'' نقوش میں شائع نہیں ہوا۔

۲۸۔ یہاں فارسی کے مقولے کا استعمال کیا گیا ہے پورا مقولہ یوں ہے:''پیری وصد عیب چنیں گفتہ اند''، ترجمہ: بڑھاپا سو برائیوں کے برابر ہے۔(وارث سرہندی، مؤلف، علمی اردو لغت (لاہور: الحجاز پرنٹرز، ۲۰۰۳ء۔)، ۴۱۱)۔

۲۹۔ علی عباس حسینی سے محمد طفیل نے طنز و مزاح نمبر کے لیے غالباً لکھنوی ظرافت کے موضوع پر مضمون مانگا مگر وہ لکھ نہ سکے۔اس لیے ''کاہلی'' کے عنوان سے ایک مضمون نقوش ۷۱۔۷۲، طنز و مزاح نمبر جنوری، فروری ۱۹۵۹ء میں صفحہ ۵۱۵۔۵۱۱ پر شائع ہوا۔یہ مضمون پہلے بھی کسی رسالے میں شائع ہو چکا تھا۔

۳۰۔ کلیم الدین احمد، ولادت: پٹنہ (ساڑھے چھ بجے شام) ۱۵ ستمبر ۱۹۰۸ء، وفات: پٹنہ، شب ۲۲ دسمبر ۱۹۸۳ء (بعارضہ قلب)، (مالک رام، تذکرہ ماہ وسال)، یہ اردو کے مشہور نقاد ہیں۔

۳۱۔ ''سخنہائے گفتنی'' کا لفظ یہاں کلیم الدین احمد کی کتاب سخنہائے گفتنی کی مناسبت سے استعمال کیا گیا ہے۔یہ کتاب، کتاب منزل، پٹنہ سے ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی۔

۳۲۔ علی عباس حسینی ایک کتاب عظیم الدین احمد کے مجموعہ کلام کے حوالے سے اور دوسری کتاب، کلیم الدین احمد کی کتاب اردو شاعری پر ایک نظر کے حوالے سے لکھنا چاہتے تھے۔اس حوالے سے علامہ اختر علی تلہری لکھتے ہیں۔''حسینی صاحب نے بہت سے اقتصادی مضامین بھی لکھے ہیں۔افسوس کہ ان کا کوئی مجموعہ کتابی صورت میں اب تک شائع نہیں ہوا۔اس نوع کا ان کا ایک مقالہ جو پروفیسر کلیم الدین احمد کی اردو شاعری پر ایک نظر کا ایک باب گل نغمہ سے متعلق ہے۔طنز و نقد کی ایک نادر مثال ہے۔ حسینی صاحب نے اس زمانے میں ایک ضخیم کتاب ان تمام اعتراضات کے جواب میں لکھ ڈالی ہے جو مولانا آزاد و حالی کے زمانے سے اب تک اس کے اصناف پر کیے گئے ہیں یا کیے جاتے ہیں۔۔۔ناول کی تاریخ و تنقید کی طرح یہ بھی حسینی کا ایک غیر فانی کارنامہ ہوگا''۔(سید اختر علی تلہری، ''علی عباس حسینی،'' صبح نو (علی عباس حسینی نمبر):۵۰)۔
اسی موضوع پر علی عباس حسینی کا ایک مضمون ''کلیمی احکام عشرہ'' نقوش ۷۳۔۷۴ مئی ۱۹۵۹ء میں صفحہ ۳۳۶۔۳۲۵ پر شائع ہوا جبکہ دوسرا مضمون ''عظیم بہ زبان کلیم'' علی عباس حسینی نے لکھا جو نقوش ۹۰، اکتوبر ۱۹۶۱ء میں صفحہ ۱۱۔۲۳ پر شائع ہوا۔اگلے خطوط میں کلیم الدین کے بارے میں تنقیدی مضامین لکھنے کی تفصیلی وضاحت ملتی ہے۔

۳۳۔ عظیم الدین احمد، عظیم، (صاحب گل نغمہ)، ولادت: امتھوا (ضلع گیا) ۲۵ جون ۱۸۸۰ء، وفات: پٹنہ ۱۸ مئی ۱۹۴۹ء، (مالک رام تذکرہ ماہ وسال) یہ کلیم الدین احمد کے والد اور شاعر ہیں۔

۳۴۔ گل نغمہ عظیم الدین احمد کی نظموں کا مجموعہ ہے، دیوان نہیں، جو غالباً اردو شاعری پر ایک نظر کے ساتھ منظر عام پر آیا۔اردو شاعری پر ایک نظر کے فلیپ پر اس کا اشتہار یوں درج ہے۔''حضرت علامہ ڈاکٹر عظیم الدین احمد عظیم آبادی، ایم اے، پی ایچ ڈی سابق صدر شعبہ عربی، فارسی و اردو پٹنہ یونیورسٹی، کی روح افزا اور دلگداز نظموں کا مجموعہ گل نغمہ کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔

شروع میں مسٹر کلیم الدین احمد بی اے (کیمبرج) پروفیسر ادب انگریزی، پٹنہ کالج کا مقدمہ اردو شاعری کے اس بے بہا سرمایہ سے آپ کے ادارے کو خالی نہ رہنا چاہیے۔'' یہ کتاب بھی عظیم پبلشنگ ہاؤس، بانکی پور پٹنہ سے شائع ہوئی۔

۳۵۔ کلیم الدین احمد نے اردو شاعری پر ایک نظر کے باب نمبر ۱۱ میں ان تمام اصناف سخن کا ذکر کیا ہے لیکن ''مستزاد'' کا ذکر نہیں کیا۔ علی عباس حسینی روانی میں ''مستزاد'' کا ذکر بھی کر گئے ہیں۔

۳۶۔ ان تمام ہیئتوں پر تنقید کرتے ہوئے اور مثالیں دے کر کلیم الدین احمد نے انہیں ''مشق'' اس سیاق و سباق کے ساتھ کہا: ''ان اصناف میں شاذ و نادر ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جن میں ذاتی واقعات و تجربات کا اظہار نظر آتا ہے اور بعض مثالیں موثر بھی ہیں لیکن عموماً یہ مشق سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔ یہ نظمیں کامیاب ہوں یا ناکام محض حواشی ہیں۔ ان پر شاعر اپنا سرمایہ، شاعری صرف نہیں کرتے۔'' (کلیم الدین احمد، اردو شاعری پر ایک نظر (پٹنہ: عظیم پبلشنگ ہاؤس: ۱۵۶)۔

۳۷۔ فرقت کاکوروی، غلام احمد، ولادت: لکھنؤ (گولہ گنج اسپتال) جون ۱۹۱۰ء، وفات: (جھریا اور مغلسرائے کے درمیان ریل میں) شب ۱۳۔۱۲ جنوری ۱۹۷۳ء، (مالک رام *تذکرہ ماہ و سال*)، غلام احمد فرقت کاکوروی کا مضمون ''جشن جمہوریت کی ایک دوپہر'' *نقوش* ۷۲۔۷۱ طنز و مزاح نمبر، جنوری، فروری ۱۹۵۹ء میں صفحہ ۶۳۹۔۶۲۹ پر شائع ہوا۔

۳۸۔ اس سے مراد ممتاز حسین، (کراچی یونیورسٹی) نہیں بلکہ یہ *اودھ پنچ* میں لکھنے والے شیخ ممتاز حسین ہیں۔

۳۹۔ یہاں ''پنچ'' سے مراد *اودھ پنچ* ہے۔ *اودھ پنچ* کا اجرا ۱۸۷۷ء میں ہوا۔ اس کے مدیر منشی سجاد حسین تھے۔

۴۰۔ ظریف سے مراد ظریف لکھنوی ہیں۔ ظریف لکھنوی، سید مقبول حسین (برادر و تلمیذ صفی لکھنوی)، ولادت: لکھنؤ، ۲۴ فروری ۱۸۷۰ء، وفات: ۳ دسمبر ۱۹۳۷ء، (مالک رام، تذکرہ ماہ و سال)۔

۴۱۔ *دیوانجی* ظریف لکھنوی کی کلیات ہے، دیوان نہیں۔ اسے جناب مولانا سید علی نقی صاحب صفی لکھنوی نے مرتب کیا اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۹ء میں مرزا ثمر پرنٹر الواعظ صفدر پریس کیننگ اسٹریٹ لکھنؤ سے شائع ہوا۔

۴۲۔ ''دیوانجی'' کا مقدمہ ممتاز حسین جونپوری نے ''پیشگفت'' کے عنوان سے لکھا اور اس کے آخر میں تاریخ ۲۸ فروری ۱۹۴۲ء درج کی ہے۔ یہ طویل مقدمہ صفحہ نمبر ۴ سے ۳۷ تک پھیلا ہوا ہے۔

۴۳۔ فرقت کاکوروی نے اردو ادب میں طنز و مزاح کے موضوع پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا۔

۴۴۔ فرقت کاکوروی کی یہاں جن دو کتابوں کا ذکر ہے ان میں سے ایک *مداوا* ہے جو پہلی بار جنوری ۱۹۴۴ء میں یوسفی پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی اور دوسری کتاب *ناروا* ہے جو ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئی۔ (اشفاق احمد ورک، *اردو نثر میں طنز و مزاح* (لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۰۴)، ۱۱۱)۔

۴۵۔ ممتاز حسین عثمانی، (ایڈیٹر اودھ پنچ)، وفات: لکھنؤ ۱۲ جون ۱۹۳۶ء، (مالک رام *تذکرہ ماہ و سال*)۔

۴۶۔ منشی سجاد حسین کے *اودھ پنچ* چھوڑنے کے دو سال بعد اس پرچے کو حکیم سید ممتاز حسین عثمانی نے دوبارہ جاری کیا۔ اس کے بعد *اودھ پنچ* پہ وہ عروج تو نہ آ سکا جو اس کو ابتدائی دس پندرہ سالوں میں حاصل ہوا تھا لیکن پھر بھی یہ پرچہ ممتاز حسین کی کاوشوں سے جیسے تیسے چلتا رہا۔ سید صاحب اپنے گرد لکھنے والوں کی کوئی خاص جماعت نہ اکٹھی کر پائے جو منشی سجاد حسین کا خاصہ تھا۔ ۱۹۳۳ء میں سید ممتاز حسین کا انتقال ہو گیا جس کے بعد ان کے صاحبزادے سید ظہیر حیدر نے اسے چلانے کی ذمہ داری نبھائی اور ۱۹۳۴ء میں انہوں نے وفات پائی اور *اودھ پنچ* بند ہو گیا۔ (اشفاق احمد ورک، *اردو نثر میں طنز و مزاح*)۔

۴۷۔ *علی گڑھ میگزین* ''شروع میں یہ رسالہ محمڈن اینگلو کالج میگزین کے نام سے انسٹیٹیوٹ گزٹ علی گڑھ کے ضمیمہ کے طور پر ۵ مئی ۱۸۹۱ء کو نکلا۔ بعد میں جون ۱۸۹۴ء سے علیحدہ رسالے کی شکل میں شائع ہونے لگا۔ اس وقت یہ انگریزی اور اردو دونوں

زبانوں میں نکلا کرتا تھا اردو حصہ کے پہلے ایڈیٹر شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی مقرر ہوئے جو اس زمانے میں علی گڑھ کالج میں پروفیسر تھے۔ اس وقت اس کالج کی خبروں کے علاوہ اعلیٰ درجے کے علمی و ادبی مضامین بھی شائع ہوتے تھے اور پرچہ بڑی شان سے نکلتا تھا۔ مئی ۱۸۹۸ء میں مولانا شبلی کالج سے چلے آئے اور رسالے کی ادارت ان کے منیجر محمد حسین نے سنبھال لی۔ ۱۹۰۲ء میں اس کا نام بدل کر *علی گڑھ منتھلی* رکھ دیا گیا اور اس کے بعد *علی گڑھ میگزین* جو آج تک جاری ہے۔'' (شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، ''۱۹۶۹ء میں چھپنے والے رسائل و جرائد کے غالب نمبر'' *کتاب* (۱۹۷۰ء): ۱۰۸)۔

۴۸۔ علی عباس حسینی کا مضمون رشید احمد صدیقی کے حوالے سے *علی گڑھ میگزین* ۵۵۔۱۹۵۴، ۵۴۔۱۹۵۳ کے خصوصی نمبر میں شائع ہوا۔

۴۹۔ ماہنامہ *فروغ اردو* لکھنؤ سے نکلتا تھا جبکہ *قومی آواز* بھی ہندوستان سے نکلتا تھا۔

۵۰۔ علی عباس حسینی ۱۹۵۴ء میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو گئے اور پھر پنشن ملنے لگی۔ نبیلہ ضمیر لکھتی ہیں: ''۱۹۲۱ء سے ۱۹۵۴ء تک کل چونتیس سال انہوں نے ہیڈ ماسٹر اور پرنسپل کے فرائض انجام دیے۔'' (نبیلہ ضمیر، ''سید علی عباس حسینی شخصیت اور فن'' (غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ برائے ایم اے، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۲ء)، ۳)۔

۵۱۔ یہ شعر مولانا روم کا ہے جو دراصل یوں ہے۔

آنچہ شیراں را کند روبہ مزاج　　احتیاج است، احتیاج است، احتیاج

(لغت نامہ، مؤلف، علی اکبر دھخدا: ۱۰۵۹) ترجمہ: جو چیز شیروں کو لومڑی جیسا بنا دیتی ہے وہ محتاجی ہے۔

۵۲۔ ''طلوع'' *نقوش* کے اداریے کا عنوان ہے۔ یہاں رعایتاً استعمال کیا گیا ہے۔

۵۳۔ یہاں طنز و مزاح نمبر کا ذکر ہے جو فروری ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔

۵۴۔ ''آنسوؤں کا ہار'' *نقوش* ۷۷۔۷۸، خاص نمبر، دسمبر ۱۹۵۹ء میں صفحہ ۲۴۰۔۲۴۵ میں شائع ہوا۔

۵۵۔ *نقوش* میں ''نئے احکام عشرہ'' کے عنوان سے کوئی مضمون شائع نہیں ہوا۔

۵۶۔ احتشام صاحب سے مراد پروفیسر سید احتشام حسین رضوی ہیں۔ ولادت: اٹرڈیہہ (ضلع اعظم گڑھ، یو۔پی)، ۲۱ اپریل ۱۹۲۱ء وفات: الہ آباد، صبح، جمعہ، یکم دسمبر ۱۹۷۲ء (مالک رام، تذکرہ ماہ و سال)۔

۵۷۔ فراق گورکھ پوری، رگھو پتی سہائے، ولادت: گورکھ پور، جمعہ، دوپہر، ۲۸ اگست ۱۸۹۶ء، وفات: نئی دہلی، ۳ مارچ ۱۹۸۲ء (مالک رام، تذکرہ ماہ و سال)۔

۵۸۔ فراق گورکھ پوری کی کتاب *اردو غزل گوئی* کے عنوان سے ۱۹۵۵ء میں ادارہ فروغ اردو سے شائع ہوئی اور دوسری کتاب *انداز ے* بھی اسی ادارے سے پہلی بار ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی۔

۵۹۔ *صاحب* محمد طفیل کی کتاب ہے جو خاکوں پر مشتمل ہے۔ غالباً اس کی پہلی اشاعت ۱۹۵۹ء میں ہوئی۔ کتاب کے مقدمے کے اختتام پر محمد طفیل نے یہی سن لکھا ہے۔

۶۰۔ محمد طفیل نے اپنی کتاب *صاحب* علی عباس حسینی کو بھیج دی اور اس کے حوالے سے مضمون لکھنے کی فرمائش بھی کی۔ اس کا ذکر طفیل صاحب کے خط میں ملتا ہے جو اسی خط کے جواب میں ۵۹۔۳۔۱۴ کو لکھا گیا'' ۔۔۔صاحب کا بھی ایک نسخہ آپ کے ارشاد پر بھجوایا گیا ہے۔۔۔ اب آپ اپنی تفصیلی رائے مجھے لکھ بھیجیں۔ مضمون کی صورت میں من و عن چھاپوں گا۔'' (''محمد طفیل مکتوب بنام علی عباس حسینی، *نقوش* (محمد طفیل نمبر، جلد اول) (جولائی ۱۹۸۷ء): ۸۵۵۔۸۵۴)؛ چنانچہ علی عباس حسینی نے ایک مضمون ''صاحب کے بعد جناب'' لکھا جس میں *صاحب* پر تبصرہ ہوا اور وہ *نقوش* ۸۹، اگست ۱۹۶۱ء میں صفحہ ۶۷۔۶۸ پر شائع ہوا۔

۶۱۔ یہاں جن دو مضامین کے بارے میں استفسار کیا اس حوالے سے محمد طفیل نے اسی خط میں جواب دیا۔ ''آپ کے دونوں مضمون

شروع میں مسٹر کلیم الدین احمد بی اے (کیمبرج) پروفیسر ادب انگریزی، پٹنہ کالج کا مقدمہ اردو شاعری کے اس بے بہا سرمایہ سے آپ کے ادارے کو خالی نہ رہنا چاہیے۔" یہ کتاب بھی عظیم پبلشنگ ہاؤس، بانکی پور پٹنہ سے شائع ہوئی۔

۳۵۔ کلیم الدین احمد نے *اردو شاعری پر ایک نظر* کے باب نمبر ۱۱ میں ان تمام اصناف سخن کا ذکر کیا ہے لیکن "مستزاد" کا ذکر نہیں کیا۔ علی عباس حسینی روانی میں "مستزاد" کا ذکر بھی کر گئے ہیں۔

۳۶۔ ان تمام ہیئتوں پر تنقید کرتے ہوئے اور مثالیں دے کر کلیم الدین احمد نے انہیں "مشق" اس سیاق وسباق کے ساتھ کہا: "ان اصناف میں شاذ و نادر ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جن میں ذاتی واقعات و تجربات کا اظہار نظر آتا ہے اور بعض مثالیں موثر بھی ہیں لیکن عموماً یہ مشق سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔ یہ نظمیں کامیاب ہوں یا ناکام محض حواشی ہیں۔ ان پر شاعر اپنا سرمایہ، شاعری صرف نہیں کرتے۔" (کلیم الدین احمد، اردو شاعری پر ایک نظر (پٹنہ: عظیم پبلشنگ ہاؤس:۱۵۶)۔

۳۷۔ فرقت کاکوروی، غلام احمد، ولادت: لکھنؤ (گولہ گنج اسپتال) جون ۱۹۱۰ء، وفات: (جھریا اور مغلسرائے کے درمیان ریل میں) شب ۱۳۔۱۲ جنوری ۱۹۷۳ء، (مالک رام *تذکرہ ماہ وسال*)، غلام احمد فرقت کاکوروی کا مضمون "جشن جمہوریت کی ایک دوپہر" *نقوش* ۷۲۔۷۱ طنز ومزاح نمبر، جنوری، فروری ۱۹۵۹ء میں صفحہ ۶۳۹۔۶۲۹ پر شائع ہوا۔

۳۸۔ اس سے مراد ممتاز حسین، (کراچی یونیورسٹی) نہیں بلکہ یہ *اودھ پنچ* میں لکھنے والے شیخ ممتاز حسین ہیں۔

۳۹۔ یہاں "پنچ" سے مراد *اودھ پنچ* ہے۔ *اودھ پنچ* کا اجرا ۱۸۷۷ء میں ہوا۔ اس کے مدیر منشی سجاد حسین تھے۔

۴۰۔ ظریف سے مراد ظریف لکھنوی ہیں۔ ظریف لکھنوی، سید مقبول حسین (برادر و تلمیذ صفی لکھنوی)، ولادت: لکھنؤ، ۲۴ فروری ۱۸۷۰ء، وفات: ۳ دسمبر ۱۹۳۷ء، (مالک رام، تذکرہ ماہ وسال)۔

۴۱۔ *دیوانجی* ظریف لکھنوی کی کلیات ہے، دیوان نہیں۔ اسے جناب مولانا سید علی نقی صاحب صفی لکھنوی نے مرتب کیا اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۹ء میں مرزا ثمر پرنٹر الواعظ صفدر پریس کیننگ اسٹریٹ لکھنؤ سے شائع ہوا۔

۴۲۔ "دیوانجی" کا مقدمہ ممتاز حسین جونپوری نے "پیشگفت" کے عنوان سے لکھا اور اس کے آخر میں تاریخ ۲۸ فروری ۱۹۴۲ء درج کی ہے۔ یہ طویل مقدمہ صفحہ نمبر ۴ سے ۳۷ تک پھیلا ہوا ہے۔

۴۳۔ فرقت کاکوروی نے اردو ادب میں طنز ومزاح کے موضوع پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا۔

۴۴۔ فرقت کاکوروی کی یہاں جن دو کتابوں کا ذکر ہے ان میں سے ایک *مداوا* ہے جو پہلی بار جنوری ۱۹۴۴ء میں یوسفی پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی اور دوسری کتاب *ناروا* ہے جو ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئی۔ (اشفاق احمد ورک، *اردو نثر میں طنز ومزاح* (لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۰۴)، ۱۱۱)۔

۴۵۔ ممتاز حسین عثمانی، (ایڈیٹر اودھ پنچ)، وفات: لکھنؤ ۱۲ جون ۱۹۳۶ء، (مالک رام *تذکرہ ماہ وسال*)۔

۴۶۔ منشی سجاد حسین کے *اودھ پنچ* چھوڑنے کے دو سال بعد اس پرچے کو حکیم سید ممتاز حسین عثمانی نے دوبارہ جاری کیا۔ اس کے بعد *اودھ پنچ* پہ وہ عروج تو نہ آ سکا جو اس کو ابتدائی دس پندرہ سالوں میں حاصل ہوا تھا لیکن پھر بھی یہ پرچہ ممتاز حسین کی کاوشوں سے جیسے تیسے چلتا رہا۔ سید صاحب اپنے گرد لکھنے والوں کی کوئی خاص جماعت نہ اکٹھی کر پائے جو منشی سجاد حسین کا خاصہ تھا۔ ۱۹۳۳ء میں سید ممتاز حسین کا انتقال ہو گیا جس کے بعد ان کے صاحبزادے سید ظہیر حیدر نے اسے چلانے کی ذمہ داری نبھائی اور ۱۹۳۴ء میں انہوں نے وفات پائی اور *اودھ پنچ* بند ہو گیا۔ (اشفاق احمد ورک، *اردو نثر میں طنز ومزاح*)۔

۴۷۔ *علی گڑھ میگزین* "شروع میں یہ رسالہ *محمڈن اینگلو کالج میگزین* کے نام سے انسٹیٹیوٹ گزٹ علی گڑھ کے ضمیمہ کے طور پر ۵ مئی ۱۸۹۱ء کو نکلا۔ بعد میں جون ۱۸۹۴ء سے علیحدہ رسالے کی شکل میں شائع ہونے لگا۔ اس وقت یہ انگریزی اور اردو دونوں

زبانوں میں نکلا کرتا تھا اردو حصہ کے پہلے ایڈیٹر شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی مقرر ہوئے جو اس زمانے میں علی گڑھ کالج میں پروفیسر تھے۔ اس وقت اس کالج کی خبروں کے علاوہ اعلیٰ درجے کے علمی و ادبی مضامین بھی شائع ہوتے تھے اور پرچہ بڑی شان سے نکلتا تھا۔ مئی ۱۸۹۸ء میں مولانا شبلی کالج سے چلے آئے اور رسالے کی ادارت ان کے منیجر محمد حسین نے سنبھال لی۔ ۱۹۰۲ء میں اس کا نام بدل کر *علی گڑھ منتھلی* رکھ دیا گیا اور اس کے بعد *علی گڑھ میگزین* جو آج تک جاری ہے۔" (شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، "۱۹۶۹ء میں چھپنے والے رسائل وجرائد کے غالب نمبر" *کتاب* (۱۹۷۰ء):۱۰۸)۔

۴۸۔ علی عباس حسینی کا مضمون رشید احمد صدیقی کے حوالے سے *علی گڑھ میگزین* ۵۵۔۵۴، ۵۴۔۵۳ کے خصوصی نمبر میں شائع ہوا۔

۴۹۔ ماہنامہ *فروغ اردو* لکھنؤ سے نکلتا تھا جبکہ *قومی آواز* بھی ہندوستان سے نکلتا تھا۔

۵۰۔ علی عباس حسینی ۱۹۵۴ء میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو گئے اور پھر پنشن ملنے لگی۔ نبیلہ ضمیر لکھتی ہیں: "۱۹۲۱ء سے ۱۹۵۴ء تک کل چونتیس سال انہوں نے ہیڈ ماسٹر اور پرنسپل کے فرائض انجام دیے۔" (نبیلہ ضمیر، "سید علی عباس حسینی شخصیت اور فن" (غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ برائے ایم اے، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۲ء)، ۳)۔

۵۱۔ یہ شعر مولانا روم کا ہے جو دراصل یوں ہے۔

آنچہ شیراں را کند روبہ مزاج　　احتیاج است، احتیاج است، احتیاج

(لغت نامہ، مؤلف، علی اکبر دھخدا ۱:۱۰۵۹) ترجمہ: جو چیز شیروں کو لومڑی جیسا بنا دیتی ہے وہ محتاجی ہے۔

۵۲۔ "طلوع" *نقوش* کے اداریے کا عنوان ہے۔ یہاں رعایتاً استعمال کیا گیا ہے۔

۵۳۔ یہاں طنز ومزاح نمبر کا ذکر ہے جو فروری ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔

۵۴۔ "آنسوؤں کا ہار" *نقوش* ۷۷۔۷۸، خاص نمبر، دسمبر ۱۹۵۹ء میں صفحہ ۲۴۰۔۲۴۵ میں شائع ہوا۔

۵۵۔ *نقوش* میں "نئے احکام عشرہ" کے عنوان سے کوئی مضمون شائع نہیں ہوا۔

۵۶۔ احتشام صاحب سے مراد پروفیسر سید احتشام حسین رضوی ہیں۔ ولادت: اتر ڈیہہ (ضلع اعظم گڑھ، یو۔ پی)، ۲۱ اپریل ۱۹۲۱ء وفات: الہ آباد، صبح، جمعہ، یکم دسمبر ۱۹۷۲ء (مالک رام، تذکرہ ماہ وسال)۔

۵۷۔ فراق گورکھپوری، رگھوپتی سہائے، ولادت: گورکھپور، جمعہ، دوپہر، ۲۸ اگست ۱۸۹۶ء، وفات: نئی دہلی، ۳ مارچ ۱۹۸۲ء (مالک رام، تذکرہ ماہ وسال)۔

۵۸۔ فراق گورکھپوری کی کتاب *اردو غزل گوئی* کے عنوان سے ۱۹۵۵ء میں ادارہ فروغ اردو سے شائع ہوئی اور دوسری کتاب *انداز ے* بھی اسی ادارے سے پہلی بار ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی۔

۵۹۔ صاحب محمد طفیل کی کتاب ہے جو خاکوں پر مشتمل ہے۔ غالباً اس کی پہلی اشاعت ۱۹۵۹ء میں ہوئی۔ کتاب کے مقدمے کے اختتام پر محمد طفیل نے یہی سن لکھا ہے۔

۶۰۔ محمد طفیل نے اپنی کتاب *صاحب* علی عباس حسینی کو بھیج دی اور اس کے حوالے سے مضمون لکھنے کی فرمائش بھی کی۔ اس کا ذکر طفیل صاحب کے خط میں ملتا ہے جو اسی خط کے جواب میں ۵۹۔۳۔۱۴ کو لکھا گیا"۔۔۔صاحب کا بھی ایک نسخہ آپ کے ارشاد پر بھجوایا گیا ہے۔۔۔اب آپ اپنی تفصیلی رائے مجھے لکھ بھیجیں۔ مضمون کی صورت میں من وعن چھاپوں گا۔" ("محمد طفیل مکتوب بنام علی عباس حسینی،" *نقوش* (محمد طفیل نمبر، جلد اول) (جولائی ۱۹۸۷ء):۸۵۵۔۸۵۴)؛ چنانچہ علی عباس حسینی نے ایک مضمون "صاحب کے بعد جناب" لکھا جس میں صاحب پر تبصرہ ہوا اور وہ *نقوش* ۸۹، اگست ۱۹۶۱ء میں صفحہ ۶۷۔۶۸ پر شائع ہوا۔

۶۱۔ یہاں جن دو مضامین کے بارے میں استفسار کیا اس حوالے سے محمد طفیل نے اسی خط میں جواب دیا۔" آپ کے دونوں مضمون

نقوش میں آئیں گے جولوگ آپ سے مضمون مانگ رہے ہیں انہیں اور لکھ کے دیں۔ آپ میری دولت پر کیوں ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہیں۔'' (محولہ بالا)۔

۶۲۔ نقوش کا یہ خاص نمبر شمارہ ۸۷۔۷۷ دسمبر ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔

۶۳۔ علامہ اختر علی تلہری کا کوئی مقالہ خاص نمبر میں شائع نہیں ہوا۔

۶۴۔ اس کے بعد نقوش ۸۰۔۹۷، ادب عالیہ نمبر اپریل ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا جس میں ان کا افسانہ ''جل پری'' دوبارہ شائع کیا گیا۔ اس کے بعد ''ققنی'' افسانہ نقوش ۸۲۔۸۱، جون ۱۹۶۰ء میں صفحہ ۲۱۰۔۲۰۷ پر شائع ہوا۔ یہاں غالباً اسی کا ذکر ہے۔

۶۵۔ سید ہونے کے حوالے سے علی عباس حسینی فخر کرتے تھے۔ اس حوالے سے وہ خود اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں، ''کہتے ہیں سید صاحب سیف وقلم ہوتا ہے اور بزرگوں کا ارشاد ہے کہ میں سید ہوں لیکن تلوار کبھی قبضے میں نہ آئی۔ عمر بھر قلم گھِستا رہا۔'' (علی عباس حسینی، ''میں اور میرے افسانے،'' فسانہ (فروری ۱۹۴۸ء):۶)؛ علی عباس حسینی کی بیٹی کشور بنیاد زیدی اپنے مضمون میں اس حوالے سے لکھتی ہیں: ''یوں تو آپ انہیں کافی آزاد خیال سمجھیں گے لیکن حقیقتاً والد کافی قدامت پرست ہیں۔ نسل، ذات پات کے قائل اور اپنے سید ہونے پر فخر۔۔۔'' (کشور بنیاد زیدی، ''علی عباس حسینی،'' نقوش (شخصیات نمبر۲):۱۰۰۵)۔

۶۶۔ یہاں نقوش ۸۰،۹۷، ادب عالیہ نمبر کا ذکر ہے۔

۶۷۔ نقوش افسانہ نمبر، نومبر ۱۹۶۰ء کو شائع ہوا اور اس میں علی عباس حسینی کا افسانہ ''مردے'' صفحہ ۱۱۳۔۱۰۷ پر شائع ہوا۔

۶۸۔ ماہ نامہ نقش کراچی سے ۱۹۶۰ء میں اردو ادب کے ڈائجسٹ کی صورت میں نکلا۔ اس مجلّے میں برصغیر کے تمام ادبی رسائل کی منتخب تخلیقات کو پیش کیا جاتا تھا۔ نقش چونکہ نامور ادبی رسائل سے اچھے افسانوں کا انتخاب بہ تعجیل چھاپ دیتا تھا، اس لیے اس روش کے خلاف ادبی رسائل نے جن میں محمد طفیل کا رسالہ نقوش پیش پیش تھا، شدید احتجاج کیا اور اس کی روک تھام کے لیے نقوش ۸۷، فروری ۱۹۶۱ء کے طلوع میں رائٹر گلڈ مغربی پاکستان کی قرارداد درج ہے اور اس میں تمام انتخابی پرچوں کو گلڈ کے ذریعے منع کرنے کی کوشش کی۔ ادبا کو فارم بھیجے گئے جن پر انہوں نے اس انتخابی پرچے کو روکنے کے لیے ان کے دستخط لیے۔ یہ فارم نقوش ۸۷، فروری ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا اور خط کا یہ پیراگراف ''انتخابی پرچے'' کے عنوان کے تحت نقوش ۸۶،۸۵ افسانہ نمبر میں نومبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۶۷۹ پر خط کی صورت میں شائع ہوا۔ شمس زبیری نے کچھ عرصہ تو اس احتجاج کا سامنا کیا لیکن پھر نقش کی اشاعت منقطع کر دی۔

۶۹۔ عبداللہ یوسف علی نامور اسلامی اسکالر، مترجم ومفسر قرآن، قانون دان، ماہر تعلیم، سابق پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور۔ ولادت: ۱۴ اپریل ۱۸۷۲ء سوات، وفات: ۱۰ دسمبر ۱۹۵۳ء لندن، *English Translation of Holy Quran*، (وفیات نامورانِ پاکستان)۔

۷۰۔ نئے صاحب سے مراد غالباً صاحب کا نیا ایڈیشن ہے۔

۷۱۔ علی عباس حسینی نے پہلا افسانہ ''پژمردہ کلیاں، باسی پھول'' کا پہلا حصہ ۱۹۱۸ء میں لکھا۔ (علی عباس حسینی، ''میں اور میرے افسانے،'' فسانہ ۳ (جنوری ۱۹۴۸ء))؛ ایک ناول سر سید احمد پاشا عرف قاف کی پری ۱۹۴۱ء میں بھارگو بک ڈپو، لکھنؤ سے شائع ہوا اور باسی پھول افسانوں کا مجموعہ مکتبہ اردو لاہور سے ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا۔

۷۲۔ علی عباس حسینی ۳ فروری ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے اور ۳ فروری ۱۹۶۱ء کو ان کی عمر چونسٹھ برس ہونے والی تھی۔

۷۳۔ مرزا غالب کے شعر کا مصرع استعمال کیا گیا ہے۔ پورا شعر درج ہے:

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب   وہ عناصر میں اعتدال کہاں

(غالب، دیوان غالب (لاہور: فیروز سنز، س ن،)، ۷۸)۔

۷۴۔ یہاں نقوش ۸۸، مئی ۱۹۲۱ء کا ذکر ہے جس کے ادارتی نوٹ میں طفیل صاحب نے اپنی بیماری کا ذکر کیا ہے۔

۷۵۔ جناب محمد طفیل کی خاکوں کی کتاب ہے اب تک اس کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ علی عباس حسینی نے جناب کے حوالے سے کچھ نہیں لکھا۔

۷۶۔ اس دوران میں علی عباس حسینی کا افسانہ ''سیکرٹری''، نقوش ۸۹، اگست ۱۹۶۱ء میں صفحہ ۱۱۸۔۱۱۳ پر شائع ہوا۔

۷۷۔ احمد سے مراد کلیم الدین احمد ہیں۔

۷۸۔ یہ خط دفتر یادگار انیس کمیٹی کے کارڈ پر لکھا گیا ہے۔ اس کارڈ کی پشت پر یہ تفصیل چھپی ہوئی ہے۔ ''یادگار انیس کمیٹی، لکھنؤ، صدر۔ سید علی ظہیر، کلائیڈ روڈ۔ لکھنؤ، نائبان صدر۔ ۱۔ پنڈت آنند ملا، جینا بازار روڈ لکھنؤ، ۲۔ سید صدیق حسین، لکشمی بائی روڈ۔ لکھنؤ، جنرل سیکرٹری، سید علی عباس حسینی، غوث گنج لکھنؤ، مہتمم نشر واشاعت۔ مرزا رضا حسین، غوث لکھنؤ، خازن۔ سید مسعود حسن رضوی، ادبستان دین دیال روڈ، لکھنؤ۔

۷۹۔ یہاں غلام احمد پرویز کا ذکر ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے اردو ادب کی مختصر تاریخ میں ان کی وفات کا سال ۱۹۸۵ء درج کیا ہے: (انور سدید، اردو ادب کی مختصر تاریخ (لاہور: عزیز بک ڈپو، ۱۹۹۸ء))۔

۸۰۔ مولانا مودودی سے مراد سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۷۹ء۔۱۹۰۳ء) جماعت اسلامی کے بانی اور امیر اور روشن خیال عالم دین۔ آباؤ اجداد کا وطن دہلی تھا۔ (اردو انسائیکلوپیڈیا، لاہور: فیروز سنز، ۲۰۰۴ء)۔

۸۱۔ نقوش کا سالنامہ ۹۶، جنوری ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا اور یہاں اس خط میں اسی کا ذکر ہے۔

۸۲۔ حجاب امتیاز علی، ولادت: ۱۹۱۵ء حیدر آباد دکن، وفات: ۱۸ مارچ ۱۹۹۹ء، مشہور افسانہ نگار، ناول نگار، ڈرامہ نگار ہیں۔ (مجیب احمد خان، حجاب امتیاز علی فن وشخصیت (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۰ء)، ۳۳)۔

۸۳۔ جوگندر پال ولادت: سیالکوٹ ۵ ستمبر ۱۹۲۵ء، (مالک رام تذکرہ ماہ وسال)، افسانہ نویس۔

۸۴۔ شاعر اور افسانہ نویس، احمد ندیم قاسمی (۲۰۰۶ء۔۱۹۱۶ء)۔

۸۵۔ شوکت تھانوی نمبر ستمبر ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔

۸۶۔ علی عباس حسینی کی آپ بیتی نقوش میں شائع نہیں ہوئی۔ محمد طفیل نے نقوش کے آپ بیتی نمبر کے لیے جو شمارہ ۱۰۰، جون ۱۹۶۴ء میں دو جلدوں کی صورت میں شائع ہوا، کے لیے علی عباس حسینی سے آپ بیتی کی فرمائش کی تھی۔

۸۷۔ عبدالماجد دریابادی (۱۸۹۳ء۔۱۹۷۷ء) ادیب، صحافی، فلسفی، نقاد، عالم دین (اُردو انسائیکلوپیڈیا (لاہور: فیروز سنز، ۲۰۰۴ء)، ۹۸۹)۔

۸۸۔ صبح نو پٹنہ سے نکلنے والا ماہنامہ تھا اسے وفا ملک پوری نکالتے تھے۔ انہوں نے سہیل عظیم آبادی کے ایما پر علی عباس حسینی نمبر جنوری، فروری، مارچ ۱۹۶۵ء میں نکالا۔

۸۹۔ یہ مضمون ''میری زندگی کے چند اوراق پریشان'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ علی عباس حسینی نے خط میں میری زندگی کی بجائے ''اپنی زندگی'' درج کیا ہے۔ یہ صبح نو پٹنہ کے لیے سہیل عظیم آبادی، علیم اللہ حالی اور نریش کمار شاد کے سوالات کی روشنی میں لکھا گیا۔

۹۰۔ یہاں ''آپ بیتی'' کی تیسری جلد کے حوالے سے پوچھا جا رہا ہے جبکہ تیسری جلد شائع نہیں ہوئی اور یہ مضمون نقوش میں شائع نہیں ہوا۔

۹۱۔ یہاں نقوش ۹۲ لاہور نمبر کا ذکر ہے جو فروری ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔ لاہور نمبر میں سید محمد توختہ کے حوالے سے جو معلومات غلط تھیں

علی عباس حسینی نے اس کا ذکر صبح نو پٹنہ علی عباس حسینی نمبر میں کرتے ہوئے تصحیح کر دی۔ یہاں اسی کا ذکر ہے۔

۹۲۔ یہاں سہواً لکھنؤ کی جگہ علی عباس حسینی نے لاہور لکھ دیا تھا جبکہ یہ خط لکھنؤ سے ہی لکھا گیا تھا۔

۹۳۔ یہاں افسانوی مجموعے *الجھے دھاگے* کا ذکر ہے جو ادارہ فروغ اردو سے شائع نہیں ہوا بلکہ شائع ہی نہیں ہوا۔ اسلم حیات درانی اپنے مقالے میں اس حوالے سے لکھتے ہیں *الجھے دھاگے* اگرچہ ایک مجموعہ کے طور پر چھپنا تھا جس کا اعلان بھی ہو چکا تھا مگر کتابی صورت میں چھپنے کی نوبت نہ آئی۔ چنانچہ ''الجھے دھاگے'' افسانوں کے کسی مجموعے کا نام نہیں بلکہ حسینی صاحب کے ایک افسانے کا نام ہے۔'' (درانی *علی عباس حسینی حیات اور فن*، ۲۲۶)۔

۹۴۔ علی عباس حسینی کے پاس اپنی تصنیفات بھی موجود نہ تھیں۔ ان کے حوالے سے ان کی بیٹی کشور بنیاد زیدی شخصیات نمبر میں لکھتی ہیں:
''حد یہ ہے کہ خود اپنی تصنیفات میں سے بھی ایک کی کوئی جگہ گھر میں نہیں ہے۔ والد کی خاص ذاتی کاپی بھی لوگ مانگ کر لے گئے اور امی بیچاری کو جو کاپی نذر ہوئی تھی وہ بھی کسی کی بھینٹ چڑھ گئی۔'' (زیدی، ''علی عباس حسینی'')۔

۹۵۔ *رفیق تنہائی* علی عباس حسینی کے افسانوی مجموعے کا نام ہے۔ اس کی پہلی اشاعت میں سات افسانے تھے اسے مدیر *ادب* لکھنؤ اور سید نثار مہدی گزری پٹنہ نے شائع کیا۔ اس کے بعد اضافہ کر کے تیرہ افسانوں پر مشتمل یہ مجموعہ نیا ادارہ لاہور نے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا۔

۹۶۔ *باسی پھول* افسانوی مجموعہ ہے جو تیرہ افسانوں پر مشتمل ہے۔ پہلی بار مکتبہ اردو لاہور سے شائع ہوا۔ اس کا سال اشاعت مرزا حامد بیگ نے *اردو افسانے کی روایت* میں ۱۹۳۹ء جبکہ ڈاکٹر انوار احمد نے ۱۹۴۵ء درج کیا ہے۔

۹۷۔ *میلہ گھومنی* بھی افسانوی مجموعہ ہے۔ اس میں اکیس افسانے شامل ہیں۔ مکتبہ اردو لاہور سے پہلی بار شائع ہوا۔ سن اشاعت درج نہیں ہے۔

۹۸۔ یہاں ''معمولی نمبر'' سے مراد *نقوش* کا عام شمارہ ہے جو ۱۰۱، نومبر ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا۔

۹۹۔ *ناول کی تاریخ اور تنقید* انڈین بک ڈپو لکھنؤ سے شائع ہوئی جس پر سال درج نہیں ہے جبکہ اس خط پر اس کی تاریخ ۱۹۴۴ء درج ہے۔

۱۰۰۔ شاہد احمد دہلوی، ولادت: ۲۲ مئی ۱۹۰۶ء دہلی، وفات: ۲۸ مئی ۱۹۶۷ء، مدیر ساقی، خاکہ نگار، رپورتاژ نگار، مترجم تھے۔
(سید محمد عارف *شاہد احمد دہلوی حالات و آثار* (کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۰ء)۔

۱۰۱۔ جوش صاحب سے مراد جوش ملیح آبادی ہیں۔
(اسلم عظیم آبادی، ''ایک ثلث''، *حیات کلیم*، مرتبہ سید محمد حسنین (بودھ گیا: مگدھ یونیورسٹی، فروری ۱۹۷۷ء)۔ جوش ملیح آبادی، شبیر حسن خان، ولادت: قصبہ کہنار، ملیح آباد (لکھنؤ) ۵ دسمبر ۱۸۹۸ء، وفات: اسلام آباد (پاکستان) ۲۳ فروری ۱۹۸۲ء، و (مالک رام *تذکرہ ماہ سال*)۔

۱۰۲۔ ممتاز مفتی (ممتاز حسین، ولادت: ۱۱ ستمبر ۱۹۰۵ء بٹالہ ضلع گورداسپور، وفات: ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۵ء، اردو کے ممتاز ادیب، افسانہ نگار، خاکہ نگار، معلم اور صحافی تھے۔

۱۰۳۔ *کتاب* لکھنؤ نے ۱۹۶۴ء میں علی عباس حسینی نمبر نکالا۔

۱۰۴۔ ڈاکٹر محمد حسنین نے علی عباس حسینی کے مضمون ''عظیم بہ زبان کلیم'' کے جواب میں مضمون لکھے ایک علی عباس حسینی کا تنقیدی مقالہ صبح نو پٹنہ (علی عباس حسینی نمبر ضمیمہ) میں شائع ہوا۔ اور دوسرا ہے'' وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا'' کے عنوان سے ''مہر نیم روز (پاکستان)'' میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر محمد حسنین کے مضمون ''علی عباس حسینی کا ایک تنقیدی مقالہ'' کے جواب میں علی عباس حسینی نے

''ناقد زبوں حال'' لکھا جو صبح نو پٹنہ (علی عباس حسینی نمبر ضمیمہ) میں شائع ہوا۔

۱۰۵۔ کلیم الدین احمد کی کتاب *اردو شاعری پر ایک نظر* اردو مرکز پٹنہ سے شائع ہوئی اس کی پہلی اشاعت پر سال درج نہیں ہے جبکہ دوسری اشاعت ۱۹۵۶ء میں ترمیم و اضافے کے بعد کی گئی۔ یہاں علی عباس حسینی اسی حوالے سے بات کر رہے ہیں۔ دونوں کتابوں میں فرق نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

۱۰۶۔ ابن انشا، ولادت: ۱۵ جون ۱۹۲۷ء ضلع جالندھر، وفات: ۱۶ جنوری ۱۹۸۷ء لندن، اردو شاعر و ادیب، صحافی فراح و سفرنامہ نگار مترجم تھے۔ (*وفیات ناموران پاکستان*)۔

۱۰۷۔ ممتاز مفتی کے ناول *علی پور کا ایلی* کے حوالے سے ذکر ہے۔ ۱۹۶۱ء میں داستان گو مال روڈ لاہور سے اسے شائع کیا۔ ۱۹۵۹ء میں اس سوانحی ناول کو ممتاز مفتی نے لکھنا شروع کیا تھا۔

۱۰۸۔ شوکت صدیقی، ممتاز افسانہ نگار ناول نگار تھے۔ ۱۹۶۳ء میں پیدا ہوئے۔ (اُردو انسائیکلو پیڈیا (لاہور: فیروز سنز، ۲۰۰۵)، ۹۲)۔

۱۰۹۔ یہ افسانہ ''خزانے کا سانپ'' کے عنوان سے *نقوش* ۱۰۲ عام شمارے میں مئی ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ جو صفحہ ۳۹۹۔۳۹۳ پر شائع ہوا۔

۱۱۰۔ یہاں ان کی کتاب *ناول کی تاریخ و تنقید* کا ذکر ہو رہا ہے۔

۱۱۱۔ یہاں *نقوش* کے شمارے ۱۰۳ کا ذکر ہے۔ جو عام شمارہ تھا اور مئی ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔

۱۱۲۔ یہاں افسانہ ''خزانے کا سانپ'' کا ذکر ہے۔

۱۱۳۔ یہ افسانوں کا مجموعہ *کانٹوں میں پھول* اردو اکیڈمی کراچی سے پہلی بار مارچ ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔

۱۱۴۔ اس کتاب کے حوالے سے محمد طفیل کا کوئی ریویو شائع نہیں ہوا۔

۱۱۵۔ ہر چہ از دوست می رسد نیکو است
ترجمہ: دوست سے جو کچھ بھی مل جائے اچھا ہے۔

۱۱۶۔ یہاں کہانی ''کڑوا گھونٹ'' کا ذکر ہے جو *نقوش* ۱۰۳، ستمبر ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی۔

۱۱۷۔ علی عباس حسینی نے آخری شمارہ جو وصول کیا وہ شمارہ ۱۰۲ تھا جو مئی ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد کے دو شمارے جو مئی اور ستمبر ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئے انہیں اس وقت تک موصول نہ ہوئے لیکن بعد میں انہیں مل گئے جس کا ذکر اگلے خط میں ہے۔

۱۱۸۔ محمد طفیل، ''جوش صاحب''، *نقوش* ۱۰۴ (جنوری ۱۹۶۶ء)، ۱۴۷۔۱۱۷۔

۱۱۹۔ جوش ملیح آبادی ہندوستان چھوڑ کر پاکستان آ گئے تھے۔ اس حوالے سے جوش *یادوں کی بارات* میں لکھتے ہیں کہ ''۱۹۵۵ء میں جب بسلسلۂ شرکت مشاعرہ، تیسری بار میں پاکستان آیا تو ہر چند اس سے پیشتر بھی، میرے دیرینہ دوست سید ابو طالب صاحب نقوی (چیف کمشنر کراچی) مجھ کو پاکستان آ جانے کی دعوت دے چکے تھے لیکن اس مرتبہ تو وہ پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ گئے کہ میں پاکستان چلا آؤں۔۔۔ انہوں نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا اور نہرو کے بعد کیا ہوگا، یہ بھی کبھی سوچا ہے۔ میں نے کہا خدا نہ کرے کہ میں ان کے بعد زندہ رہوں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر نہرو صاحب آپ کی زندگی ہی میں سدھار گئے، تو پھر ہندوستان میں آپ کا چاہنے والا کون رہ جائے گا۔ آپ کی یہ نوکری آپ کی یہ فراغت و عزت کیا ان کے بعد ختم ہو جائے گی اور تھوڑی دیر کے واسطے یہ بھی فرض کر لیجیے کہ پنڈت نہرو کے بعد بھی ہندوستان آپ کو سر آنکھوں پر بٹھائے رہے گا لیکن یہ بھی تو سوچیے کہ خدانخواستہ آپ کے بعد وہاں آپ کے بچوں کا کیا حشر ہوگا؟۔۔۔ ان کی یہ طویل جذباتی و منطقی تقریر نے میرا دل ہلا دیا۔۔۔ صبح اٹھ کر میں نے اس مسئلے پر دوبارہ غور کیا۔ نہا دھو کر نقوی صاحب کے پاس گیا اور ان سے کہہ دیا کہ اب میں ہجرت پر

تیار ہو گیا ہوں۔ (جوش ملیح آبادی، یادوں کی بارات (لاہور: مکتبہ شعر و ادب، ۱۹۷۵ء)، ۲۸۷)۔

۱۲۰۔ ان دوران میں ان کی کوئی کہانی نقوش میں شامل نہیں ہوئی۔

۱۲۱۔ یہاں ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کا ذکر ہے محمد طفیل نے نقوش ۱۰۴، جنوری ۱۹۶۶ء کے ''طلوع'' میں پاک بھارت جنگ کا ذمہ دار بھارت کو قرار دیا تھا جبکہ علی عباس حسینی اس سے متفق نہیں تھے۔

۱۲۲۔ بانو لاہور سے نکلنے والا ماہنامہ تھا جو ۱۹۵۷ میں محمد نعیم شرقپوری کی ادارت میں جاری ہوا۔ یہ ادارہ ''شمع'' کے زیر اہتمام شائع ہوتا تھا اور خواتین کے مزاج کے مطابق حسن و آرائش کو پیش نظر رکھتا تھا۔ (انور سدید، *پاکستان میں ادبی رسائل کا کردار*)۔

۱۲۳۔ امیر خسرو، ولادت: ۶۵۱ھ مطابق ۱۲۵۳ء، وفات: ۱۸ شوال ۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء، (*ہم سخن حضرت امیر خسرو* (اشاعت خصوصی) (کراچی: جناح گورنمنٹ کالج، ۱۹۷۵ء۔ ۱۹۷۴ء)۔

۱۲۴۔ ''امیر خسرو'' نقوش ۱۰۵ دوسرا حصہ (اپریل، جون ۱۹۶۶ء): ۵۹۰۔ ۵۹۸ پر شائع ہوا۔

۱۲۵۔ *حیات امیر خسرو* نقی محمد خان خورجوی کی تصنیف ہے یہ کتاب منزل کشمیری بازار لاہور سے شائع ہوئی۔

۱۲۶۔ یہ ڈراما ''امیر خسرو'' نئی دہلی پنجابی پستک بھنڈارا سے جنوری ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا۔

۱۲۷۔ یہاں جس خاص نمبر کا ذکر ہے وہ نقوش ۱۰۸ ستمبر ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا۔

۱۲۸۔ یہاں باقر عباس حسینی کا ذکر ہے جو علی عباس حسینی کے صاحبزادے ہیں۔ سید مہدی عباس حسینی اور کشور زیدی کے بعد تیسرے نمبر پر ہیں۔ ان سے چھوٹے اصغر عباس حسینی، گیتی آراء اور نازش حسینی ہیں۔ باقر عباس حسینی نے ایم اے اینتھرو پولوجی میں کیا۔ مزید تعلیم کے لیے امریکہ گئے لیکن ایک امریکی خاتون سے شادی کر کے وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ان کے تقریباً ۶۴ مقالے نفسیات کے حوالے سے شائع ہو چکے ہیں۔ (درانی، *علی عباس حسینی حیات اور فن*)۔

۱۲۹۔ یہاں غالباً نقوش شمارہ نمبر ۱۰۳ کا ذکر ہے جو ستمبر ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا اور اس میں ہی علی عباس حسینی کا افسانہ ''کڑوا گھونٹ'' شائع ہوا۔

۱۳۰۔ منٹو، ولادت: ۱۱ مئی ۱۹۱۲ء سمبرالا ضلع لدھیانہ پنجاب، وفات: ۱۸ جنوری ۱۹۵۵ء، مشہور افسانہ نویس، (علی ثنا بخاری، *سعادت حسن منٹو* (لاہور: منٹو اکادمی، مئی ۲۰۰۶ء))۔

۱۳۱۔ قرۃ العین حیدر (۱۹۲۷ء۔ ۲۰۰۷) افسانہ نویس، ناول نگار، (جمیل اختر، ''قرۃ العین حیدر۔ سوانحی کوائف،'' *اردو دنیا*، ۱۰۔ ۹ (اکتوبر ۲۰۰۷ء))۔

۱۳۲۔ منٹو کی کہانی ''سرمہ'' اور قرۃ العین حیدر کا رپورتاژ ''چھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا'' سالنامے میں شائع ہوا۔

۱۳۳۔ یہ فارسی ضرب المثل یوں ہے۔ پدر نتواند پسر تمام کند

۱۳۴۔ راجندر سنگھ بیدی، پیدائش: یکم ستمبر ۱۹۱۵ء، وفات: ۱۲۲ کتوبر ۱۹۹۱ء، (جگدیش چندر ودھان، *راجندر سنگھ بیدی شخصیت اور فن* (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۰ء))۔

۱۳۵۔ یہ افسانہ ''صرف ایک سگریٹ'' کے عنوان سے شائع ہوا۔

۱۳۶۔ یہ ناولٹ ہے جو ''ایک میلی سی چادر'' نہیں بلکہ ''ایک چادر میلی سی'' کے عنوان سے نقوش ۸۵۔ ۸۶، افسانہ نمبر، اپریل ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا۔

۱۳۷۔ یہاں کہانی ''ڈگمگاتے قدم'' کا ذکر ہے جو نقوش ۱۰۶، خاص نمبر، اکتوبر، دسمبر ۱۹۶۶ء میں صفحہ ۳۹۷۔ ۳۰۶ پر شائع ہوئی۔ اس حوالے سے ۱۷ نومبر ۱۹۶۶ء کو علی عباس حسینی نے ایک خط لکھا جو نقوش ۱۰۵، ۱۹۶۶ء صفحہ ۲۹۷ پر شائع ہوا۔

۱۳۸۔ حکیم احمد شجاع، ولادت: ۱۸۹۳ء، وفات: ۴ جنوری ۱۹۶۹ء، (افسانہ نگار، ڈرامہ نگار، شاعر)، (اے بی اشرف، *حکیم احمد شجاع اور ان کا فن* (کراچی: ہمدرد فاؤنڈیشن، ۱۹۸۷ء))۔

۱۳۹۔ یہ ڈراما ''ہیرے کی چوری'' کے عنوان سے نقوش ۱۰۶ خاص نمبر، اکتوبر، دسمبر ۱۹۶۶ء میں صفحہ ۳۲۰۔ ۳۰۳ پر شائع ہوا۔

۱۴۰۔ قصیدہ ''تمنا'' کے عنوان سے نقوش ۱۰۶ خاص نمبر میں ص ۲۶۰۔ ۳۵۳ پر شائع ہوا۔

۱۴۱۔ علی عباس حسینی امراض قلب کا شکار ہو گئے اس حوالے سے محمد اسلم حیات درانی اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:

''آخری دو سال علی عباس حسینی بیمار رہے۔ مختلف عوارض نے گھیر لیا......... چند روز بستر علالت پر گزارنے کے بعد ۲۷ ستمبر ۱۹۶۹ء کو صبح ۸ بج کر ۲۵ منٹ پر علی عباس حسینی کا انتقال ہو گیا۔ دنیائے افسانہ ایک روشن ستارے سے محروم ہو گئی۔'' (اسلم حیات درانی، *علی عباس حسینی حیات و فن*، ۱۹)۔

۱۴۲۔ نقوش کا خطوط نمبر تین جلدوں کی صورت میں شمارہ ۱۰۹، اپریل ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا۔

۱۴۳۔ خطوط نمبر کے بعد نقوش ۱۱۰، نومبر ۱۹۶۸ء افسانہ نمبر شائع ہوا اور اس میں علی عباس حسینی کا افسانہ ''ورثہ'' صفحہ ۴۴۵۔ ۴۳۸ پر شائع ہوا جبکہ یہ افسانہ نقش کراچی میں دو مرتبہ شائع ہوا۔ ۱۹۶۵ء میں ''وراثت'' کے عنوان سے اور ۱۹۷۰ء میں ''ورثہ'' کے عنوان سے۔ آج کل دہلی میں بھی ''وراثت'' کے عنوان سے افسانہ نمبر اگست ۱۹۶۴ء میں صفحہ ۱۷۔ ۱۱ پر شائع ہوا۔

۱۴۴۔ علی عباس حسینی کو جاسوسی ناول پڑھنے کا شوق تھا۔ اس حوالے سے ان کے دوست سید اختر علی تلہری لکھتے ہیں:

''حسینی کا مطالعہ وسیع ہے۔ وہ تاریخ کے ایم اے ہیں مگر انگریزی ادب اور فلسفہ الہیات بھی ان کی خاص دلچسپی کی چیزیں ہیں۔ انہیں انگریزی ناول پڑھنے کا شوق ہی نہیں بلکہ ''ہوکا'' ہے اور جب تک انہیں کوئی خاص تصنیف نہیں کرنا ہوتی وہ زیادہ تر وقت انہیں کے مطالعے کی نذر کرتے۔ پہلے قریب قریب چھ گھنٹے روزانہ پڑھتے تھے۔ اب جب سے وہ ریٹائر ہوئے ہیں چودہ پندرہ گھنٹے ہی بے کاری کا مشغلہ ہے۔ ان کو لکھنے سے زیادہ پڑھنے کا شوق ہے چاہے وہ کسی دائرے کی چیز ہو ترجیحی حق انگریزی کو حاصل ہے۔''

۱۴۵۔ یہاں وسکانسن یونیورسٹی امریکہ کے لیے تراجم کا ذکر ہے۔ گوپی چند نارنگ اس حوالے سے لکھتے ہیں: ''وسکانسن یونیورسٹی امریکہ [نے] اردو کے غیر ملکی طلبہ کے لیے چار کتابیں مرتب کی ہیں جن میں سے "Urdu Sound and Scripts" خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ چاروں کتابیں ڈیٹو پر شائع ہوئی ہیں اور کئی امریکی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جا رہی ہیں۔ حال ہی میں یونیسکو کے لیے اردو کے افسانوی ادب پر ایک کتاب تیار کرنے کا کام شروع کیا ہے۔'' (حامد علی خان، *گوپی چند نارنگ حیات و خدمات* (دہلی: ایجوکیشنل ہاؤس، ۱۹۹۵ء)، ۲۹۸)۔ یہاں علی عباس حسینی نے جس افسانے کے ترجمہ ہونے کا ذکر کیا ہے وہ غالباً اس آخری کتاب کے لیے کیا گیا جس کا ذکر گوپی چند نارنگ نے کیا ہے۔

۱۴۶۔ گوپی چند نارنگ کی ولادت ۱۱ فروری ۱۹۳۱ء کو افغانستان سرحد کے نزدیک موضع دکی، ضلع لورالائی، صوبہ بلوچستان میں ہوئی۔ (خان، گوپی چند نارنگ، ۱۵)۔

۱۴۷۔ مہدی عباس حسینی، ڈبل ایم اے (ان کی شادی ہندوستان کے مشہور ماہر تعلیم خواجہ غلام السیدین کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی جنہوں نے بمبئی سے ایم اے اور کیمبرج یونیورسٹی سے M. Litt کیا ہے اور سری رام کالج دہلی میں فلسفہ کی استاد رہیں) مہدی عباس حسینی کمیونٹی ڈویلپمنٹ منسٹری میں اڈیٹر رہے اور ماہنامہ آجکل کی ادارت ان کے سپرد رہی۔ ''امراؤ جان ادا'' کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ (درانی، *علی عباس حسینی حیات اور فن*)۔

۱۴۸۔ چودھری برکت علی ''ادب لطیف'' کے مالک تھے۔

۱۴۹۔ یہ عبدالرحمٰن بجنوری، نے کہا تھا،''ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں مقدس ویداور دیوان غالب''۔(عبدالرحمٰن بجنوری *محاسن کلام غالب*، بار چہارم (لکھنؤ: سردار پریس،۱۹۵۲ء)۔

۱۵۰۔ یہ مصرع مرزا غالب کا ہے۔ پورا شعر یوں ہے:

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوش اشک سے

بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کیے ہوئے

(غالب *دیوان غالب*،۲۲۸)۔

ماخذ

احمد، اشفاق ورک۔ *اردو نثر میں طنز و مزاح*۔ لاہور: بیت الحکمت،۲۰۰۴ء۔

احمد، کلیم الدین۔ *اردو شاعری پر ایک نظر*۔ پٹنہ: عظیم پبلشنگ ہاؤس، س ن۔

اختر، جمیل۔ مرتبہ *اشاریہ آج کل*۔ جلد اول۔ دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۸۸ء۔

اردو انسائیکلوپیڈیا۔ لاہور: فیروز سنز،۲۰۰۴ء۔

اشرف، اے بی۔ *حکیم احمد شجاع اور ان کا فن*۔ کراچی: ہمدرد فاؤنڈیشن، ۱۹۸۷ء۔

انجم، خلیق۔ مرتبہ *غالب کے خطوط*۔ جلد اوّل۔ نئی دہلی:۱۹۹۳ء۔

بجنوری، عبدالرحمٰن۔ *محاسن کلام غالب*۔ بار چہارم۔ لکھنؤ: سردار پریس، مئی،۱۹۵۲ء۔

بخاری، علی ثنا۔ *سعادت حسن منٹو(تحقیق)*۔ لاہور: منٹو اکادمی، مئی ۲۰۰۶ء۔

تونسوی، طاہر۔ *مسعود حسن رضوی ادیب حیات اور کارنامے*۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، اپریل ۱۹۸۹ء۔

جہاں، شمیم۔ مرتبہ *خطوط مالک رام*۔ دہلی: جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۹۷ء۔

حافظ۔ *دیوانِ حافظ*۔ مرتبہ سید محمد رضا جیلالی نائینی۔ تہران: موسسہ انتشارات امر کبر، ش۱۳۶۲۔

حسینی، علی عباس۔ ''کلیمی احکام عشرہ۔'' *نقوش* ۷۴۔۷۳ (مئی ۱۹۵۹ء)۔

حسینی، علی عباس۔ ''آتش خاموش۔'' *آج کل* (۱۸ اگست ۱۹۵۳ء)۔

حسینی، علی عباس۔ ''آنسوؤں کا ہار۔'' *نقوش* ۷۸۔۷۷ (دسمبر ۱۹۵۹ء)۔

حسینی، علی عباس۔ ''حکیم بانا۔'' *نقوش* (مارچ ۱۹۵۴ء): ۴۰۔۳۹۔

حسینی، علی عباس۔ ''شاید کہ بہار آئی۔'' *نقوش* (مئی ۱۹۵۲ء): ۲۲۔۲۔

حسینی، علی عباس۔ *امیر خسرو*۔ نئی دہلی: پنجابی پستک بھنڈارا، جنوری ۱۹۶۸ء۔

حسینی، علی عباس۔ *شاید کہ بہار آئی*۔ کراچی: اردو کتاب گھر کچہری روڈ، س ن۔

حسینی، علی عباس۔ *باسی پھول*۔ لاہور: مکتبہ اردو، ۱۹۳۹ء۔

خان، احمد۔ *حجاب امتیاز علی فن و شخصیت*۔ دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۰ء۔

خان، حامد علی۔ *گوپی چند نارنگ حیات و خدمات*۔ دہلی: ایجوکیشنل ہاؤس، ۱۹۹۵ء۔

درانی، اسلم حیات۔ ''علی عباس حسینی حیات اور فن۔'' غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان،۱۹۸۳ء۔

زیدی، کشور بنیاد۔ ''علی عباس حسینی۔'' *نقوش* (شخصیات نمبر۲) (اکتوبر ۱۹۵۶ء)۔

رام، مالک۔ *تذکرہ ماہ و سال*۔ دہلی: مکتبہ جامعہ، س ن۔

سدید، انور۔ *اردو ادب کی مختصر تاریخ*۔ لاہور: عزیز بک ڈپو، ۱۹۹۸ء۔

سرہندی، وارث۔ مؤلفہ *علمی اردو لغت*۔ لاہور: الحجاز پرنٹرز،۲۰۰۳ء۔

صبح نو (علی عباس حسینی نمبر) ۳،۲،۱۔۱۲ (جنوری، فروری، مارچ ۱۹۶۵ء)۔

ضمیر، نبیلہ۔ ''سید علی عباس حسینی شخصیت اور فن۔'' غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ برائے ایم اے، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۲ء۔

عارف، محمد سید۔ *شاہد احمد دہلوی حالات و آثار*۔ کراچی: انجمن ترقی اردو،۲۰۰۰ء۔

غالب، اسد اللہ خان۔ *دیوان غالب*۔ لاہور: فیروز سنز، س ن۔

گورکھپوری، فراق۔ *اردو غزل گوئی*۔ لاہور: ادارۂ فروغ اردو،۱۹۵۵ء۔

گورکھپوری، فراق۔ *انداز ے*۔ لاہور: ادارۂ فروغ اردو،۱۹۵۶ء۔

ملیح آبادی، جوش۔ *یادوں کی بارات*۔ لاہور: مکتبہ شعر و ادب،۱۹۷۵ء۔

ودھان، جگدیش چندر۔ *راجندر سنگھ بیدی شخصیت اور فن*۔ دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۲۰۰۰ء۔